ترتیبِ جدید

سلسلۂ منتخبات نظم اردو

مناظرِ قدرت



مرتّبہ

محمد الیاس برنی ایم اے۔ ال ال بی (علیگ)

جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

جلد اوّل

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبعِ مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں طبع ہوئی ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۵ع

بارسوم

قیمت عمر

مناظرِ قدرت

جلد اوّل

اِس سلسلہ کے چاروں سٹوں کی بارہ کتابوں کے ملنے کے پتے

(۱) محمد مقتدی خاں شروانی۔ علی گڑھ۔

(۲) محمد الیاس برنی۔ جام باغ۔ حیدرآباد (دکن)

(۳) شیخ مبارک علی۔ لُہاری دروازہ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تشریح ترتیبِ جدید

مروجہ غزلیات کی کثرت سے عموماً یہ خیال پھیل گیا ہے کہ اردو شاعری کی ساری کائنات محض حسن و عشق اور گل و بلبل کی پرانی داستان ہے۔ مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ اردو میں بھی ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں۔ البتہ وہ اب تک منتشر اور غیر معروف رہیں۔ چنانچہ موجودہ انتخاب سے اس کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہے۔ اگر جدید تعلیم یافتہ حضرات اس سلسلۂ انتخاب کو ملاحظہ فرمائیں گے تو ثابت ہوگا کہ انگریزی کی جن نیچرل نظموں پر وہ سر دھنتے ہیں

ہم پلہ نظمیں خود ان کی اُردو زبان میں موجود ہیں۔ شعر و سخن کے چمن کھلے
ہیں جن کے رنگ و بُو سے دل و دماغ بلکہ رُوح کو تفریح ہوتی ہے۔ اُمید ہے
انتخاب کو دیکھکر تعلیم یافتہ حضرات کے دل میں ضرور اُردو شاعری کی
بت پیدا ہوگی اور ان کی قدر دانی و توجہ سے اُردو شاعری کی ترقی کا
نیا دَور شروع ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔
۱۹۱۹ء میں اس سلسلہ کی ابتدا ہوئی جب کہ معارفِ ملّت مناظرِ قدرت
باتِ فطرت کی پہلی تین جلدیں شائع ہوئیں اور پہلا سٹ کہلائیں ملک نے
گرمجوشی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ اچھے اچھے ادیبوں اور نقادانِ سخن نے انتخاب
تیب کی داد بلکہ مبارکباد دی۔ ہر طرف سے فرمایشوں کا تار بندھ گیا۔ اور
دن ہاتھ کتابیں چل نکلیں۔ علاوہ بریں اکثر صوبوں کے مدارس میں کتب خانوں
ات بلکہ درس کے واسطے بھی یہ کتابیں منظور ہو گئیں۔ اس قدر شناسی اور
افزائی نے قدرتاً نئے سٹوں کی تالیف و طبع کی رفتار تیز کر دی۔ چنانچہ
۱۹۲۰ء میں دوسرا سٹ شائع ہوا اور ۱۹۲۱ء میں تیسرے سٹ کے ساتھ ساتھ
دو سٹوں کے دوسرے اڈیشن بھی نکل آئے۔ ۱۹۲۲ء میں یہ تینوں سٹ
رہی ۱۹۲۳ء میں چوتھا سٹ بھی نکل آیا۔ اِس طرح پانچ سال کے اندر اندر

سلسلہ کی بارہ جلدیں شائع ہو گئیں جن میں کم و بیش دو سو قدیم و جدید شاعروں کے کلام کا انتخاب شامل تھا۔

الحمد للہ ان کتابوں نے اُمید اور توقع سے بڑھکر شہرت و مقبولیت حاصل کی قدیم و جدید تعلیم یافتہ سب ان کا دم بھرنے لگے۔ بڑے چھوٹے یکساں دل سے قدر کرنے لگے۔ سفر حضر میں ان کو پیش نظر رکھنے لگے۔ پڑھی لکھی بہو بیٹیوں نے تو ان کو اپنا وظیفہ بنا لیا۔ خلوت و جلوت کے لئے اچھا مشغلہ پا لیا۔ آپس کے تحفے تحائف میں بھی یہ کتابیں چلنے لگیں اور گھر گھر دلچسپی اور خوش وقتی کا سامان بن گئیں۔ غرض کہ صد ہا اردو پرست گھروں نے اس سلسلہ کے معتقد بلکہ مرید ہو گئے اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اردو میں ایسے انتخاب کی عام و خاص کو کس درجہ ضرورت تھی۔

اس سلسلہ کی سب سے بڑی خصوصیت جس کی نظیر دوسری زبانوں میں بھی کم نظر آتی ہے ترتیب اور تقابل ہے۔ یعنی ایک ایک مضمون کے متعلق متعدد نظموں کو اس طرح یکجا ترتیب دینا کہ ان کا باہم مقابلہ ہو سکے اور تقابل سے ہر ایک کے خصوصیات نمایاں ہوں اور ان کے ادبی مدارج کا پتہ چلے کہ کس اعتبار سے کون سی نظم کس نظم پر فائق ہے۔ یہ طریق تقابل جس کو انگریزی میں کمپیریٹیو اسٹڈی

ے ہیں ادب کی تعلیم میں بہترین اور انتہائی ذہنی تربیت شمار ہوتا ہے۔ مزید براں
قسم کی ترتیب سے اُردو شاعری کی وسعت اور رفعت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ
عالی مضامین کی فضا میں اُردو شاعر کس حد تک بلند پروازی دکھا چکے ہیں
چنانچہ اس سلسلہ کو دیکھ کر بہت سے منکر اور غافل اُردو شاعری کے قائل بلکہ
قدر ہو رہے ہیں۔ حالاں کہ ابھی بہت کچھ بیش قدر کلام نظروں سے پوشیدہ ہے۔

ترتیب کے علاوہ دوسری خصوصیت جس کی تفصیل تمہید میں مذکور ہے
انتخاب میں صرف نظمیں نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بڑی ترکیبوں
ساتھ مشہور نظموں میں سے ایسی نظمیں نکالی گئی ہیں جو بجائے خود مستقل اور
معلوم ہوتی ہیں حالاں کہ اصلی نظموں میں ان کا شبہ گزرنا بھی مشکل تھا۔ اس سے
مگر جدت یہ کہ ایک ہی شاعر کے متفرق اشعار یکجا ترتیب دے دے کر ان سے
ت نادر اور لطیف مضامین پیدا کیے گئے ہیں۔ جو مستقل نظموں میں نایاب
میر تقی میر۔ مرزا غالب اور اکبر الٰہ آبادی ان حضرات کے کلام میں خاص کر
طریق کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ چنانچہ اس طرز کی متعدد نظمیں سلسلہ
شریک ہیں جو اپنے طرز میں بالکل عجیب اور انوکھی معلوم ہوتی ہیں۔ ان سے
ت ہوتا ہے کہ بیخودی میں شاعر کے منہ سے حقایق کے پھول جھڑتے رہتے

ہیں۔ کوئی چاہے تو ان کو جمع کرکے بہترین خوشنما اور خوشبودار گلدستے بنالے۔ نظمیں ان ترکیبوں سے حاصل ہو بھی گئیں تو اکثر کے عنوان ندارد۔ پھر ان پر ایسے موزوں اور جامع عنوانات لگائے گئے کہ معانی کے دریا کوزوں میں بند نظر آنے لگے۔ غرض کہ طرح طرح سے کوشش کی تب کہیں ایک حد تک اردو شاعری کی چمن بندی ہو سکی۔ ورنہ اس خطّہ کے سرسری رہ رووں کو اکثر ایک خود رو جنگل کا دھوکا ہوتا تھا جس میں ان کو رنگ و بو کے پھول بھی کم نظر آتے تھے۔

کُل مواد پہلے سے تو موجود نہ تھا۔ بتدریج فراہم ہو ہو کر ترتیب پاتا گیا۔ شائع ہوتا گیا۔ اس طرح چارٹ مُرتّب کرکے بارہ جلدیں شائع ہوئیں۔ گرچہ سلسلہ کی ترتیب اور تہذیب میں پوری کوشش کی گئی پھر بھی اصلاح و ترقی کی کافی گنجائش باقی رہ گئی۔ مضامین کی مجانست ترتیب کی رُوح رواں ہے۔ وافر مواد مُہیّا ہو جانے کی بدولت جدید ترتیب میں سابق کے مقابل مجانست مضامین کہیں زیادہ چُست اور وسیع ہو گئی ہے حتیٰ کہ ہر جلد میں ایک مستقل اور جُداگانہ کیفیت نظر آتی ہے۔ شائع شدہ نظموں کے علاوہ بہت سی اور نظمیں بھی شامل ہو گئی ہیں گویا جدید ترتیب اور مزید مضامین کے ساتھ یہ بارہ جلدیں

از سرِ نو شائع کی جاتی ہیں اور آیندہ یہ ان کی مستقل شکل رہیگی تفصیل ملاحظہ ہو

پہلا سٹ

معارفِ ملّت

جلد اوّل۔ متعلق دینیات یعنی حمد، نعت، مناجات اور معرفت کی نظمیں، جن میں دین وایمان کی خوشبو مہکتی ہے۔ صاحب دلوں اور عاشقانِ رسول کے واسطے بڑی نعمت ہے۔

جلد دوم۔ متعلق اسلامیات یعنی اسلام اور مسلمانوں کے ماضی، حال اور مستقبل کی تفسیریں اور تصویریں، جو قلب کو گرماتی اور روح کو تڑپاتی ہیں۔ خاص کر واقعہ کربلا کے ۱۵ جگردوز نشتر لذت شہادت تازہ کر دیتے ہیں۔ اسلامی مدارس کے واسطے بیش بہا تحفہ ہے۔

جلد سوم۔ متعلق قومیات یعنی ہندوستان کی متحدہ قومیت کے متعلق دردمند اور وطن پرست شاعروں کا دل پذیر کلام جو عبرت سکھاتا اور غیرت دلاتا ہے۔ اس جلد میں چند قدیم شہر آشوب بھی قابل دید ہیں قومی مدارس کے واسطے بہت موزوں ہے۔

جلد چہارم۔ متعلق اخلاقیات یعنی اردو شاعری میں اخلاق و حکمت کے جو انمول موتی جواہر بکھرے پڑے تھے اور جو بہترین قومی سرمایہ ہیں فراہم کر دیئے گئے ہیں۔ یہ جلد لڑکوں اور نوجوانوں کے واسطے قابل قدر تحفہ ہے۔ تمام مدارس کے واسطے یکساں مفید ہے۔

دُوسراسٹ

جذباتِ فطرت

جلد اوّل۔ اُردو شاعری کے قافلہ سالار یعنی میرؔ اور مرزا رفیع سوداؔ کے کلام کا مربوط اور جامع انتخاب خاص کر میرؔ کے متفرق اشعار کو ترتیب دے کر جو نازک مضامین پیدا کئے گئے ہیں وہ بہت نایاب ہیں یہ کتاب بی کالج کی اعلیٰ جماعتوں میں درس کے قابل ہے۔

جلد دوم۔ اُردو کے سرمایۂ ناز شاعر مرزا غالبؔ اور اُس کے خاص ہم عصر یا خاص ہمرنگ شعرا ذوقؔ، ظفرؔ اور حسرتؔ موہانی کے کلام کا انتخاب غزلیات کے علاوہ مرزا غالبؔ کے متفرق اشعار کی ترتیب سے جو گوناگوں لطیف مضامین پیدا کئے گئے ہیں وہ قابل دید ہیں۔

یہ کتاب بھی اعلیٰ جماعتوں کے درس کے قابل ہے۔

جلد سوم۔ تقریباً تیس قدیم، مستند اور باکمال شعرا کے کلام کا اعلیٰ انتخاب جو اپنی قدامت اور جامعیت کے لحاظ سے قابل دید ہے۔

جلد چہارم۔ تقریباً ساٹھ جدید مشہور و مقبول شعراء کے کلام کا دلکش انتخاب۔ شاعری کے جدید دور کا اس سے خوب اندازہ ہو سکتا ہے۔

تیسرا سٹ

مناظرِ قدرت

جلد اوّل۔ متعلق اوقات یعنی صبح، شام، دن، رات، دھوپ، چاندنی، موسم گرما، سرما، برسات اور بہار کے دلکش مناظر نظموں میں اس خوبی سے عکس فگن ہیں کہ اُن کو دیکھکر طبیعت وجد کرنے لگتی ہے۔ نیچر پرستوں کے لئے یہ جلد قدرت کی دلفریبیوں کا بہترین مرقع ہے۔

جلد دوم۔ متعلق مقامات یعنی آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل، میدان، دریا، کھیت، باغات، شہر اور عمارات۔ شاعروں نے اِن سب کی ایسی صاف ستھری تصویریں کھینچی ہیں کہ نظمیں پڑھتے وقت گویا ہم آنکھوں سے

اُن کی سیر کر رہی ہیں۔

جلد سوم۔ متعلق نباتات و حیوانات۔ یعنی پھول پھل کیڑے پتنگے تتلیاں، چڑیاں، پرندے، چرندے، چوپائے اور متفرق جانور وغیرہ۔ ان سب کے حالات پڑھنے سے اندازہ ہو سکے گا کہ اُردو شاعروں نے اشیاء قدرت کا کس حد تک مطالعہ کیا ہے اور مشاہدات میں کہاں تک جان ڈالی ہے۔

جلد چہارم۔ متعلق عمرانیات۔ یعنی ہندوستان کے تمدن، رسم و رواج، عید تیوہار، غمی شادی، میلے ٹھیلے، صحبتیں جلسے کھیل تماشے، وضع لباس صورت شکل، ہنسی مذاق، بزم اور رزم سب طرح کے حالات پیشِ نظر ہو کر دل کو بے چین کر دیتے ہیں۔ مناظرِ قدرت کی چاروں جلدیں زنانہ مدارس کے واسطے خاص کر بہت موزوں ہیں۔

سلسلے کی یہ بارہ جلدیں تو مستقل ہو گئیں۔ اگر آئندہ موقع ملا اور مواد فراہم ہوتا رہا تو انشاء اللہ وقتاً فوقتاً ایک ایک جلد اس سلسلہ کے تتمہ کے طور پر شائع ہوتی رہیگی۔ اور ہر جلد میں معارفِ ملت۔ مناظرِ قدرت اور جذباتِ فطرت۔ تینوں حصوں کے کچھ کچھ مضامین شامل رہیں گے۔ ہر حصہ کی جُداگانہ جلد مرتب ہونے کا

انتظار نہیں کیا جلے گا۔ اگر یہ سلسلہ اس طرح جاری رہ سکا تو امید ہے کہ اُردو کا بیشتر قابل قدر کلام یکجا محفوظ ہو جائے گا۔ اور شایقین کو بلا دقت دستیاب ہو سکے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

علاوہ بریں ایک فارسی انتخاب کے واسطے بھی عرصہ سے بعض محترم بزرگوں اور مخلص احباب کی فرمایش جاری ہے بلکہ اصرار تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ مہلت اور موقع شرط ہے۔ ممکن ہے کہ ایک خاص طرز کا فارسی انتخاب بھی کبھی شائع ہو کر شرف مقبولیت حاصل کرے۔ وَمَا تَوفِیقِی اِلّا بِاللہ۔

محمد الیاس برنی

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

دسمبر ۱۹۲۴ء

تمہید

اُردو شاعری کی بھی عجب اُفتاد پڑی جب کہ ہندوستان میں اسلامی حکومتوں پر تباہی کی کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور گھڑی گھڑی اِدبار کی بجلیاں گرتی تھیں، بزم سخن کی رونق اور چہل پہل قابل دید تھی۔ خود فرماں روائے وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر شاعری کی دُھن میں مست تھے شاعروں کی دیکھا دیکھی حشرات الارض کی طرح بے شمار نظم نگار نکل پڑے آٹھوں پہر مشاعرے گرم رہنے لگے اور مدّاحوں کی واہ وا نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ رنگ رلیوں کا زمانہ تھا۔ کلام بھی قدرتاً اسی رنگ میں

رنگ گیا چنانچہ اس میں حسن پرستی کا وہ ہیجان آیا اور عشق و عاشقی کا وہ طومار بندھا کہ خدا کی پناہ۔ اس زہریلے مذاق سے قوم پر کس درجہ مُردنی چھائی، اخلاق و عادات کی کیا گت بنی جاہ و ثروت کس طرح خاک میں ملے یہ عبرت ناک داستان ابھی تاریخ ہند میں بیان ہونی باقی ہے۔ پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرایش کی کثرت سے شاعری کا اصلی حسن چھپا رہا۔ مبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اُس آگ کے شعلے دبا دیے۔ اگر کہیں اس رنگ میں جرأت، انشا، مرزا شوق اور میاں نظیر کے طرز پر شاعری نے اپنا پورا پورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر قیامت تھی فحش اور مبتذل کلام سے تو بحث نہیں۔ ان واسوختوں نے نہ معلوم کتنے نونہال جھلس ڈالے۔ البتہ اس رنگ کے متین اور مہذب کلام کو لیجئے۔ اس میں ہزار لفظی اور معنوی خوبیاں سہی لیکن تاثیر جو شاعری کی جان ہے کمیاب ہے۔

اگرچہ بہت سا کلام گردش ایام کی نذر ہوگیا۔ تاہم اب بھی نظموں کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جا بجا ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں

جن کے پاکیزہ اور لطیف مضامین قوم کے واسطے مایۂ حیات اور سرمایۂ مباہات ہیں جن کے بیان کی صفائی وحقیقت آمیزی اور جن کی زبان کی شگفتگی و بے ساختگی سے شاعری کی سحر کاریاں جلوہ گر ہیں ایسا کلام خود بخود قلب کو گرماتا اور رُوح کو تڑپاتا ہے۔ سوتوں کو جگاتا اور ڈوبتوں کو تراتا ہے، ہنستوں کو رُولاتا اور روتوں کو ہنساتا ہے۔ شاعری نے اس میں بلا کا اثر بھر دیا ہے کسی عارضی اور مصنوعی ذوق کے بجائے خود انسانی فطرت اس کی مقبولیت کی ضامن ہے اور نفسیات کے دربار سے اسی کو بقائے دوام کا فرمان ملا ہے۔

اشاعت اَدب ترقی زبان اور اصلاح تمدُّن کی ایک عمدہ سبیل یہ ہے کہ خاص خاص رنگ کا شاعرانہ کلام مُرتّب کر کے ناظرین کے روبرو پیش کیا جائے۔ چنانچہ زندہ دل اور علم دوست قوموں میں ادبی خدمت کا یہ طریق بہت رائج اور مقبول ہے۔ آئے دن اچھّے سے اچھّے انتخابات شائع ہوتے رہتے ہیں اس ترکیب سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہے ذوق سلیم پیدا ہوتا ہے اور شاعری اپنا کام کر دکھاتی ہے۔

کچھ انتخابات آج کل نصاب تعلیم میں داخل ہیں بعض شاعروں کا منتخب کلام بھی شائع ہو رہا ہے۔ لیکن اب تک ایسے مسلسل اور مربوط انتخابات کا انتظار رہا جو ادبی مُرقعوں کا کام دیں۔ بڑی ضرورت یہ ہے کہ شاعری کے موجودہ رُجحانات اور مقامات پیش نظر ہو جائیں تاکہ جو ادیب اور شاعر اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہوں شاعری کی اصلاح و ترقی کی معقول تجاویز سوچیں اور کارگر تدابیر اختیار کریں۔ انتخابات سے پتا چلا کہ ہماری شاعری کے بہت سے شعبے توجہ طلب ہیں۔ مثلاً اب تک وہ دین و ملّت سے بیگانہ بلکہ برگشتہ رہی حمد، نعت اور مناجات جن میں کچھ خلوص و نیاز کی چاشنی ہو مشکل سے ملتی ہیں اور قومی نظمیں تو بوجہ ندرت ابھی تک تبرّک بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح جذبات کو لیجیے اوّل تو ایشیائی طبیعت یوں ہی حزن پسند ہے دوسرے اُردو شاعری نے قومی تنزّل اور تباہی کے دَور میں ہوش سنبھالا قدرتاً کلام بارد اور یاس انگیز ہے۔ دُنیا کی بے ثباتی، زمانہ کی گردش، تقدیر کی بندش، افتادگی و خود فراموشی، سکون و خاموشی۔ جب راگ کا یہ سرگم ہو تو پھر نا ممکن ہے کہ اسے سُن کر مال و دولت اور جاہ و حشمت سے دل بیزار نہ ہو

شاعری کی یہ برودت ہماری جیسی مضمحل اور تساہل پسند قوم کے حق میں بہت خطرناک ہی. کہیں خدانخواستہ جد و جہد کے رہی سہی ولولے اور ترقی کی اُمنگیں پھر سرد نہ پڑجایئں۔ اِس وقت تو کچھ ایسے حار نسخہ کی ضرورت ہی جس سے دلوں کی افسردگی نکلے اولولعزمی اُبھرے اور لوگوں میں گرمجوشی پھیلے۔ اس طرح گرم سرد اجزا کی آمیزش سے خودبخود شاعری میں ایک صحت بخش اعتدال پیدا ہو جائے گا. علیٰ ہذا۔ قدرت کو لیجئے اس کے بے شمار عجائبات ہمیشہ سے آنکھوں کے سامنے موجود رہی لیکن ہمارے شاعروں نے کہیں اَب جاکر نقاشی شروع کی ہی اور ابھی وہ زمانہ دُور ہی جب کہ نیچر کی تصاویر مُنہ سے بولنے لگیں۔ حاصل کلام یہ کہ اُردو شاعری میں گوناگوں اصلاح و ترقی کی ضرورت و گنجایش ہی اور بحالتِ موجودہ غالباً انگریزی شاعری اِس کام میں بہت زیادہ مدد دے سکتی ہی۔

اِسی ضرورت کے خیال سے خدا کا نام لے کر ہم منتخبات نظم اُردو کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ مجانست مضامین کے لحاظ سے اِس کے تین جداگانہ حصّے قرار پائے ہیں۔

(۱) معارفِ ملت۔ حمد، نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ۔
(۲) جذباتِ فطرت۔ سب دلوں کی کہانی چند شاعروں کی زبانی بقول غالبؔ

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۳) مناظرِ قدرت۔ اوقات، مقامات، مخلوقات، واقعات کی دلکش تصاویر کا مُرقع۔ ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ادبی حیثیت سے ہم پلّہ ہونا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب چنانچہ اساتذہ کے کلام کے پہلو بہ پہلو نومشق اور غیر معروف شاعروں کی طبع آزمائیاں درج ہیں۔ لیکن شاعری کے رنگ و بُو سے کوئی نظم خالی نہیں۔ بعض نظمیں جو ادبی لحاظ سے شاید ادنیٰ خیال کی جائیں اس لئے خاص طور پر قابلِ قدر ہیں کہ وہ پہلے پہل نئے نئے ضروری مضامین کے صاف ستھرے خاکے بطور نمونہ پیش کرتی ہیں سچ پوچھئے تو یہ بھی بڑا کام ہے۔ خدا جانے انھیں کی دیکھا دیکھی آگے چل کر سحر نگار قلم کیسی کیسی انوکھی اور پیاری تصاویر کھینچ دکھائیں علاوہ بریں ارتقاءِ شاعری کی تحقیق میں بھی یہ نظمیں ناگزیر ہوں گی پھر کسی جامع انتخاب میں کیوں کر نظر انداز ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ

نظمیں بعض حضرات کے لطیف ادبی مذاق پر بار ہوں تو اُمید ہے کہ وہ معذرت قبول فرمائیں گے بایں ہمہ ان کی ضیافتِ طبع کے لئے اساتذہ کا بھی کافی کلام موجود ہے۔ اگر انار کے کچھ دلنے کچّے ہوں تو اس سے باقی انار کی شیرینی ونطافت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

انتخاب اور ترتیب کا طریق خود مجموعوں سے ظاہر ہے۔ اصل مضمون پیش نظر رکھکر نظموں سے غیر ضروری اجزا نکالنا، مفید مطلب مقامات چھانٹنا حسبِ صلاحیت ان کو از سرِ نو ملانا یا جُداگانہ نظموں کی شکل میں لانا پھر نظموں کے موزوں عنوانات قرار دے کر ان کو مضمون وار اس طرح ترتیب دینا کہ ہر نظم کا موقع محل ایک خاص موزونی اور معنی رکھتا ہو، یہ سب اہتمام کیا تب کہیں اس سلسلہ منتخبات کا ڈول پڑا۔ آیندہ جوں جوں موزوں کلام دستیاب ہوگا، ہر حصّہ کی متعدّد جلدیں بتدریج شائع کی جائیں گی جو ساخت اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہوں گی۔ اُمید ہے کہ اس طرح پر اُردو شاعری کا ایک وسیع انتخاب مرتب ہوجائے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

جن شاعروں کے کلام سے دل و دماغ بلکہ رُوح کو تفریح وجلا ہوتی

ہیں ان کا پورا پورا شکریہ کوئی کس طرح ادا کرے۔ خدائے تعالےٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

جن حضرات نے مہربانی فرماکر نظموں کی فراہمی میں مدد دی اور اس کی طباعت وغیرہ کا حسب دلخواہ اہتمام کیا مؤلف ان کا بھی بدل ممنون احسان ہے

مُلک کو ارُدو اور بالخصوص شاعری کو ایسے انتخابات سے جو فائدہ پہنچے گا اُس کے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ خود بہت جلد ثابت کر دے گا۔ اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ۔

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن)
جولائی ۱۹۲۳ء

محمد الیاس برنی

مناظرِ قدرت

جلد اوّل

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہی اور اُس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں۔

فہرست مضامین جلد ۱ — صفحہ

فہرست مضامین جلد۲

صفحہ

فہرست مضامین جلد ۱

فہرست مضامین جلد ا

مناظرِ قدرت

جلد اوّل

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰	۷	مغز تابوت	مغز تا پوست	۶۲	۹	دار لبیت	دار لبست
۱۵	۵	چیہماتی	چہچہائی	۶۹	۱۱	اس کے تے ہیں	اس کے آتے ہیں
۲۳	۱۱	خوش آتی وازیاں بولتے	خوش آتی وازیاں تولتے	۷۱	۲	گھول	کھول
۳۱	۱۵	بھی کھاتہ	بہی کھاتہ	۸۴	۱۲	دم گرائے	دم کو گرائے
۳۳	۱۳	یا دمراد	بادِ مُراد	۸۵	۶	اعمال	عُمان
۳۳	۱۳	دل گو	دل کو	۸۷	۲	توعروسان	نوعروسان
۳۴	۴	اس کا دھیان	اس کا بھی دھیان	۸۷	۱۰	لکھ رہا ہے	لکہ ہائے
۳۵	۴	پھائی	چھائی	۸۹	۱	لہرما رتا	لہرمارتا
۴۸	۹	ساری زمین	سائے میں	۸۹	۱	سبز زار	سبزہ زار
۵۳	۱۲	ماند ہوہونے لگے	ماند ہونے لگے	۸۹	۱۵	کن دنوں	کن دلوں
۵۹	۹	بسنتی	بسنتی	۱۰۲	۸	پچھلی	پچھلیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۸	۶	آب وہ چند	اب وہ چند	۱۴۰	۱۱	ل چل	ہل چل
۱۱۸	۸	پھرتی پھرتی ہے	بھرتی پھرتی ہے	۱۴۵	۹	ست	مست
۱۲۰	۶	ربرنی چھٹ	برفی چھٹ	۱۴۶	۱۰	بارے	بارسے
۱۲۵	۶	ہوا چلتی ہے	ہوا چلتی ہے صرصر	۱۵۰	۳	ہزارد	ہزاروں
۱۳۰	۱۰	کرڑا کر	کرڑا کڑ	۱۵۱	۳	ہوایا مجیب	ہوائے عجیب
۱۳۱	۱۱	گوے	کوے	۱۵۵	۱	ترے مثل	ترے بے مثل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مناظرِ قدرت

جلد اوّل

نورِ ظہور کا وقت

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور
دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور
وہ جابجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوا وہ سبزۂ صحرا کی وہ لہک — شرمائے جس سے اطلسِ زنگاری فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک — ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ چمک جلد ا
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتّے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا — درّاج و کبک و تیتر و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا — سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار — پھولوں پہ جابجا وہ گہر ہائے آبدار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار — بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زہرِ گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم — کوکو کا شور نالۂ حق سرّہٗ کی دھوم
سبحانَ ربّنا کی صدا تھی علی العموم — جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِّ عُلا کی مدح
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی مدح

انیسؔ

جلد ۱

۲ - صبح کا سماں

وہ سماں دشت کا وہ نور کا تڑکا وہ بہار — صنعتِ صانعِ قدرت کا وہ تھا نقش و نگار
وجد میں لاتی تھی خوشبوئے گل و صوتِ ہزار — کبھی شاخوں کا وہ جھکنا کبھی اُٹھنا ہر بار
شان دکھلانے کو جو نخل تھا آمادہ تھا
زُلفِ سنبل بھی سنوارے ہوئے استادہ تھا

سبزہ وہ جس سے خجل رنگِ سپہرِ اخضر — موتی پھیلے ہوئے شبنم کے اِدھر اور اُدھر
سرد نہریں کہ جنھیں دیکھ کے ٹھنڈا ہو جگر — وہ حبابوں کی چمک جیسے فلک پر اختر
بڑھ کے غنچوں کے دہن مرغِ چمن چومتے تھے
قمریاں بولتی تھیں سروِ سہی جھومتے تھے

گلِ شبو کی سحر کو وہ بہار ایک طرف — جلوہ گر ایک طرف برگ تو بار ایک طرف
روشوں پر وہ صنوبر کی قطار ایک طرف — ڈالیاں پہنے ہوئے پھولوں کے ہار ایک طرف
خرم و تازہ و تر دشت بھی گلزار بھی تھا
تر زباں ذکرِ الٰہی میں ہر ایک خار بھی تھا

شمع و پروانہ کا وہ سوز و گداز ایک طرف — بلبل و گل میں نئے راز و نیاز ایک طرف

طوطی تیز زباں نغمہ طراز ایک طرف   چمنستاں کے حسینوں کا وہ ناز ایک طرف
جلدا
نورِ ہنگامِ سحر دیکھ کے خورسند کوئی
کوئی خنداں تھا چمن میں تو شکر خند کوئی

تھا نیا حسن جو باغوں کا تہِ چرخِ کہن   ہر طرف رقص کناں پھرتے تھے طاؤسِ چمن
جب چٹکنے میں ہنسے غنچۂ نسرین و سمن   جاگ اٹھا سبزۂ خوابیدہ میانِ گلشن
پھول کو سمجھی تھی آنکھوں کا جو تارا نرگس
کر رہی تھی چمنستاں کا نظارا نرگس

تھا ہر اک صحنِ چمن طعنہ زنِ چرخِ بریں   جا بجا تازہ وہ خوشے کہ خجل ہو پرویں
خاک پر فرشِ گلوں کا وہ نہالوں کی قریں   تھی یہ بالیدہ کہ پھولوں نہ سماتی تھی زمیں
رنگِ نازک جو ہر اک گل کی کلی رکھتی تھی
پھونک کر پاؤں نسیمِ سحری رکھتی تھی

نفیس

۳- نمودِ صبح

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح   ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح

گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح　　ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے رشتۂ شب تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں　　چُنتے چمن سے پھولوں کو جس طرح باغباں
آئی بہار میں گُلِ مہتاب پر خزاں　　مُرجھا کے گر گئے ثمرِ شاخِ کہکشاں
دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے
پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ نور کا ظہور　　یادِ خدا میں زمزمہ پردازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور　　خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انساں زمیں پہ محو ملک آسمان پر
جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زبان پر

وہ سرخیِ شفق کی اُدھر چرخ پر بہار　　وہ بارور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلوں پہ گہرہائے آبدار　　پھولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار
نافے کھُلے ہوئے وہ گلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

انیس

جلد ۱

۴- ظہورِ صبح

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
گلزارِ شب خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح
سرگرم ذکرِ حق ہوئے طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دمبدم
مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تاب نہر وہ موجوں کا پیچ و خم
سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار
کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں
تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤسِ آسماں

ذرّوں کی روشنی میں ستاروں کا تھا گماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

انیس

۵۔ جلوۂ سحر

کیا روح فزا جلوۂ رخسارِ سحر ہے
کشمیر دل زار ہے فردوسِ نظر ہے
ہر پھول کا چہرہ عرقِ حسن سے تر ہے
ہر چیز میں اک بات ہے ہر شے میں اثر ہے
ہر سمت بھڑکتا ہے رخِ حور کا شعلہ
ہر ذرۂ ناچیز میں ہے طور کا شعلہ

لرزش وہ ستاروں کی وہ ذرّوں کا تبسم
چشموں کا وہ بہنا کہ فدا جن پہ ترنم
گردوں پہ سپیدی و سیاہی کا تصادم
طوفان وہ جلووں کا وہ نغموں کا تلاطم
اُڑتے ہوئے گیسو وہ نسیمِ سحری کے
شانوں پہ پریشاں ہیں یا بال پری کے

وہ پھیلنا خوشبو کا وہ کلیوں کا چٹکنا
وہ چاندنی مدھم، وہ سمندر کا جھلکنا

وہ چھاؤں میں تاروں کی گُلِ تر کا چمکنا
وہ جھومنا سبزہ کا، وہ کھیتوں کا لہکنا
شاخوں سے مل جاتی ہیں شاخیں وہ اثر ہے
کہتی ہے نسیم سحری عہد سحر ہے
خنکی وہ بیاباں کی، وہ بے رنگیٔ صحرا
وہ وادیٔ سرسبز وہ تالابِ مصفا
پیشانیٔ گردوں پہ وہ ہنستا ہوا تارا
وہ راستے جنگل میں وہ بہتا ہوا دریا
ہر سمت گلستاں میں وہ انبار گلوں کے
شبنم سے وہ دھوئے ہوئے رخسار گلوں کے
وہ رُخ ہیں انوارِ خدا صبح وہ صادق
وہ حُسن جسے دیکھ کے ہر آنکھ ہو عاشق
وہ سادگی انسان کی فطرت کے مطابق
زرّیں وہ اُفق، نور سے لبریز وہ مشرق
وہ نغمۂ داؤد پرندوں کی صدا میں
پیراہنِ یوسفؑ کی وہ تاثیر ہوا میں!
وہ برگِ گُلِ تازہ، وہ شبنم کی لطافت
اک حُسن سے وہ خندہ سامانِ حقیقت
وہ جلوہ اصنام، وہ بتخانہ کی زینت
زاہد کا وہ منظر وہ برہمن کی صباحت
ناقوس کے سینہ سے صدائیں وہ فغاں کی
وہ حمدیں ڈوبی ہوئی آوازِ اذاں کی

آقا کا غلاموں سے یہ ہے قرب کا ہنگام　　دل ٹوٹتے ہیں سرشار فنا ہوتے ہیں آلام
چھا جاتی ہے رحمت تو برستے ہیں انعام　　اس وقت کسی طرح مناسب نہیں آرام
رونے میں جو لذت ہے تو آہوں میں مزا ہے
اے روح! "خودی" چھوڑ کہ نزدیک خدا ہے!!!

جوش

۶۔ عبادتِ صبح

کیفیتِ وحی میں ہے بلبل　　ہے وقتِ نزولِ مصحفِ گل
سبزہ ہے کنارِ آبجو پر　　یا خضر ہے مستعدِ وضو پر
نوبت ہے صدائے قمریاں کی　　تیاری ہے باغ میں اذاں کی
محوِ تکبیر فاختہ ہے　　قد قامتِ سروِ دلربا ہے
اِک شاخ رکوع میں رکی ہے　　اور دوسری سجدے میں جھکی ہے
سوسن کی زباں پر مناجات　　جاری لبِ جو سے التحیات
پھیلی ہوئی بوئے گل چمن میں　　اور صلِ علیٰ کا غل چمن میں
غنچے میں ہے خامشی کا عالم　　یا صومِ سکوت میں ہے مریم

جلد ۱

کیاری ہر ایک اعتکاف میں ہے — اور آبِ رواں طواف میں ہے
سالک ہے چمن میں نہرِ موزوں — مجذوب ہے شاخِ بیدِ مجنوں
ہے صوفیِ صاف دل صنوبر — تحریکِ نسیم حالت آور
سجّادہ بدوش لالہ یکسو — گیسو شبِ زندہ دار شبّو
ہے استغراق نیلوفر کو — پاسِ انفاس ہے سحر کو
ہر شمع خموش فکر میں ہے — ہر طائرِ شوخ ذکر میں ہے

وحدت ہے چمن میں مغز تا پوت
صادق ہے بہار پر ہمہ اوست

محسن کاکوروی

۷۔ نمازِ چمن

بہار آئی کھلے گل زیبِ صحنِ بوستاں ہو کر — عنادل نے مچائی دھوم سرگرمِ فغاں ہو کر
بچھا فرشِ زمرد اہتمامِ سبزۂ تر سے — چلی مستانہ وش بادِ صبا عنبر فشاں ہو کر
عروجِ نشۂ نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں — ترانے گائے مرغانِ چمن نے شادماں ہو کر
بلائیں شاخِ گل کی لیں نسیمِ صبح گاہی نے — ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگینِ بتاں ہو کر

جوانانِ چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا — کسی نے یاسمن ہو کر کسی نے ارغواں ہو کر
کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں — صدائے نغمۂ بلبل اُٹھی بانگِ اذاں ہو کر جلدا
ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو — ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتّی زباں ہو کر

زبانِ برگِ گُل نے کی دعا رنگیں عبارت میں
خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

اکبر الہ آبادی

۸۔ صبحِ چمن

وہ جلوہ گریِ مہرِ پُرنور — تاریکیِ شب ہو جس سے کافور
آغازِ سپیدۂ سحر کا — فق ہونا وہ چہرۂ قمر کا
وہ رنگِ شفق افق سے پیدا — ہو تختۂ گل کا جس پہ دھوکا
وہ بادِ نسیم دھیمی دھیمی — وہ موجِ شمیم بھینی بھینی
ہر ایک نہالِ باغ گُل پوش — پھرتی ہے ہوا چمن میں مدہوش
قدرت کی یہ ہے شگوفہ کاری — کرتے ہیں طیور حمدِ باری
ہر شاخِ چمن ہری بھری ہے — گویا کہ چمن ہنس پڑی ہے

بادِ سحری وہ عطر آگیں — سرگوشیِ غنچہ ہائے رنگیں
سبزہ وہ چمن میں دھانی دھانی — وہ خندۂ گل وہ رت سہانی
نافہ ہے ختن کا ہر شگوفہ — ہے مشک فشاں ہر ایک بوٹا
شبنم سے بھرا ہے لالۂ تر — لبریز ہے یا کہ جامِ احمر
وہ آہوئے دشت محوِ جولاں — وہ فرطِ طرب سے مور رقصاں
ہر سمت طیور ہیں ثنا خواں
اشجار ہیں حمدِ حق میں جنباں

ذاکر

۹ نسیمِ سحر

[illegible]ے کو صبح آئی تو ٹھنڈی ہوا چلی — کیا دھیمی دھیمی چال سی یہ خوش ادا چلی
[illegible]یا ہی کھیت کو ہلتی ہیں بالیاں — پودے بھی جھومتے ہیں لچکتی ہیں ڈالیاں
پھلواریوں میں تازہ شگوفے کھلا چلی
سویا ہوا تھا سبزہ اسے تو جگا چلی

اسمٰعیل

۱۰۔ نسیمِ سحر

اے نسیمِ روح پرور اے ہوائے خوشگوار — کیسی متوالی ہے تیری چال میں تجھ پر نثار
ہر روش پر لغزشِ مستانہ سے رکھنا قدم — اور وہ اٹھلا کے چلنا شوخیوں سے بار بار
تیرے آنے کی خوشی میں قطرۂ شبنم نسیم — گوہرِ نایاب بن کر موتی ہیں تجھ پر نثار
سبز شاخوں پہ ہیں تیرے خیر مقدم کو طیور — مرحبا اہلاً و سہلاً کی ہے ہر سو سے پکار

اے نسیمِ صبح بیشک رونقِ گلشن ہے تو
تیرے ہی دم سے ہے وابستہ گلستاں کی بہار

اوج گیاوی

۱۱۔ لطفِ سحر

وہ دن کے لیے سرور کا وقت — وہ لطفِ سحر وہ نور کا وقت
آہستہ نسیم کا وہ چلنا — سورج کا وہ آڑ سے نکلنا
شفاف وہ آبجو چمن کی — بھینی بھینی وہ بو چمن کی
منہ پھولوں کا دھو گئی ہے شبنم — سبزے کو بھگو گئی ہے شبنم

جلد ا

نوکوں پہ جو قطرے تھم گئے ہیں   دانے موتی کے جم گئے ہیں
کلیوں سے لکیر سی ہویدا   کچھ قصدِ تبسم اُن سے پیدا
دل کو جو لبھا یا رنگ و بُو نے
اوحُسنِ کشش یہ دی ہی تو نے

شوق قدوائی

۱۳۔ صُبح کی آمد

خبر دن کی آنے کی ہیں لارہی ہوں   اُجالا زمانہ میں پھیلا رہی ہوں
بہار اپنی مشرق سی دکھلا رہی ہوں   پکارے گلے صاف چلّا رہی ہوں
اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

میں سب کاربہوار کے ساتھ آئی   میں رفتار گفتار کے ساتھ آئی
میں باجوں کی جھنکار کے ساتھ آئی   میں چڑیوں کی چہکار کے ساتھ آئی
اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

اذاں پر اذاں مُرغ دینے لگا ہی   خوشی سے ہر اک جانور بولتا ہی
درختوں کے اوپر عجب چہچہا ہی   سُہانا ہی وقت اور ٹھنڈی ہوا ہی

جلد ۱

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

یہ چڑیاں جو پیڑوں پہ ہیں غل مچاتی ادھر سے اُدھر اُڑ کے ہیں آتی جاتی
دُموں کو ہلاتی پروں کو پھُلاتی مری آمد آمد کے ہیں گیت گاتی

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو طوطے نے باغوں میں ٹیں ٹیں مچائی تو بلبل بھی گلشن میں ہے چہچہائی
اور اونچی منڈیروں پہ شاماں بھی گائی میں سو سو طرح دے رہی ہوں دُہائی

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہر اک باغ کو میں نے مہکا دیا ہے نسیمِ صبا کو بھی مہکا دیا ہے
چمن سرخ پھولوں سے دہکا دیا ہے مگر نیند نے تم کو بہکا دیا ہے

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہوئی مجھ سے رونق پہاڑ اور بن میں ہر اک ملک میں دیس میں ہر وطن میں
کھلاتی ہوئی پھول آئی چمن میں بجھاتی چلی شمع کو انجمن میں

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو اس وقت جنگل کی بوٹی جڑی ہے سو وہ نو لکھا ہار پہنے کھڑی ہے
عجب ہے سماں ہے عجب یہ گھڑی ہے کہ پچھلے کی ٹھنڈک سے شبنم پڑی ہے

جبلہ

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہرن چونک اُٹھے چوکڑی بھر رہے ہیں — کلولیں ہر اک کھیت میں کر رہی ہیں
ندی کے کنارے کھڑے چر رہے ہیں — غرض میرے جلوے پہ سب مر رہے ہیں

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

میں تاروں کی چھاؤں آن پہنچی یہاں تک — زمیں سے ہے جلوہ مرا آسماں تک
مجھے پاؤ گے دیکھتے ہو جہاں تک — کروگے بھلا کاہلی تم کہاں تک

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

پجاری کو مندر کے میں نے جگایا — مؤذن کو مسجد کے میں نے اُٹھایا
بھٹکتے مسافر کو رستہ بتایا — اندھیرا گھٹایا اُجالا بڑھایا

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

لدے قافلوں کے بھی منزل سے ڈیرے — کسانوں کے ہل چل پڑے منہ اندھیرے
چلے جال کندھوں پہ لے کر مچھیرے — دلدّر ہوئے دُور آنے سے میرے

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

بگل اور طنبور سنکھ اور نوبت — بجانے لگے اپنی اپنی سبھی گت
چلی توپ بھی دن کی حضرت سلامت — نہیں خوب غفلت نہیں خوب غفلت

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

لو ہشیار ہو جاؤ اور آنکھ کھولو
نہ لو کروٹیں اور نہ بستر ٹٹولو
خدا کو کرو یاد اور منہ سے بولو
بس اب خیر سے اُٹھ کے منہ ہاتھ دھو لو

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

اسمٰعیل

۱۳۔ ترانۂ بیداری

جاگو جاگو پیارے جاگو
میری آنکھ کے تارے جاگو
جاگو جاگیں چڑیاں کب کی
بیت چکی ہیں گھڑیاں شب کی
شمع بجھا دی بادِ صبا نے
کلی کھلا دی بادِ سحر نے
مسجد میں آوازِ اذاں ہے
گوشۂ مشرق نور فشاں ہے
چھیڑی بھیرویں مرغِ سحر کی
سنتے ہو آواز گجر کی
شبنم موتی وار رہی ہے
منہ پر چھینٹے مار رہی ہے
گونجتے ہیں زنبور کنول پر
سورج کا ہے نور کنول پر
چمکا مہرِ عالم آرا
بدلا اُجالے سے اندھیارا

آنکھیں کھولو آنکھیں کھولو
جاگو پیارے نہا لو دھو لو

فلک

۱۴۔ ترانۂ بیداری

وقتِ سحر ہی سونے والو — دھیان کدھر ہے سونے والو
جاگو نیند کے اے متوالو — لطفِ سحر کو کھونے والو
جاگ اٹھا ہے پتہ پتہ — غفلت کیسی سونا کیسا
بادِ سحر کے جھونکے آئے — نکہتِ تر کے جھونکے آئے
جاگو پہلو بدل کر دیکھو — اٹھو آنکھیں مل کر دیکھو

صلِّ علیٰ یہ نور کا عالم
ہر ذرے پر طور کا عالم

تازہ نوا مرغانِ چمن ہیں — نغمے جن کے جانِ چمن ہیں
میٹھی بولی بول رہے ہیں — اڑنے کو پر کھول رہے ہیں
وجد میں ہیں سب آتے جاتے — حمدِ خدا کے گیت ہیں گاتے

جلد۱

گلشن میں جو نہر ہے جاری — کرتی ہے سجدۂ خالق باری
نخل کھڑے ہیں سر کو جھکائے — دستِ دعا شاخوں نے اٹھائے

محوِ یادِ خدا ہی سبزہ — سر بسجود پڑا ہے سبزہ
شاخ پہ بلبل زمزمہ خواں ہے — خاک پہ سنبل سجدہ کناں ہے

جا گو یادِ خدا کی گھڑی ہی
وقتِ نماز و دعا کی گھڑی ہی

شور اٹھا ناقوس و اذاں کا — وقت نہیں یہ خوابِ گراں کا
عابد شیخ برہمن جاگے — جانبِ مسجد مندر بھاگے
عارف زاہد اور پجاری — نیند نہیں ہے جن کو پیاری
نیند سے پیاری یادِ خدا ہی — یادِ خدا میں جن کو مزا ہی

محفلِ راز میں جاکر بیٹھے
دل کو جہاں سے اٹھا کر بیٹھے

کیوں کہ یہ عالم دارِ فنا ہی — اس میں سدا کب کوئی رہا ہی
تو ہی مسافر اس دنیا میں — جیسے رہرو اترے سرا میں
وقتِ سحر گر رہرو سوئے — غفلت میں گر وقت کو کھوئے

چلنے سے ہو گر وہ غافل کھوٹی کرے گا اپنی منزل جلد

تجھکو بھی درپیش سفر ہے

جاگ اُٹھ جاگ اُٹھ وقت سحر ہے

محروم

۱۵۔ طلوعِ آفتاب

صبحدم دروازہ خاور کھلا مہر عالم تاب کا منظر کھلا

خسرو انجم کے آیا صرف میں شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا

وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود صبح کو رازِ مہ و اختر کھُلا

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھُلا

سطحِ گردوں پہ پڑا تھا رات کو موتیوں کا ہر طرف زیور کھُلا

صبح آیا جانبِ مشرق نظر

اک نگارِ آتشیں رُخ سر کھُلا

غالب

جلد ا

۱۶۔ طلوعِ آفتاب

ہے اب دھوپ کا عکس کہسار پر — شعاعیں چمکتی ہیں اشجار پر
تری اوس کی دھوپ کھونے لگی — ہوا بھی ذرا گرم ہونے لگی
پرندے زمیں پر اُترنے لگے — ہرن کھل کے جنگل میں چرنے لگے
اُڑے کھول کر قاز و سرخاب پر — گرے مرغِ آبی وہ تالاب پر
وہ کھیتوں میں چڑیاں بھی آنے لگیں — وہ چن چن کے دانے اُٹھانے لگیں
ہوا پھر وہی کاروبارِ جہاں — ہوئے لوگ مصروف کارِ جہاں
ہوا میں ابھی تک نہیں کچھ غبار — رطوبت لگی اُڑنے بن کر بخار
مگر شہر میں یہ نہیں آب و تاب، — کہ ٹیلوں کی ہی اوٹ میں آفتاب
بلندی پہ کچھ دھوپ آنے لگی — وہ کلسوں پہ سونا چڑھانے لگی،

منڈیروں پہ کچھ کچھ جھلکنے لگی
اُتر کر وہ در پہ چمکنے لگی،

بینظیر

١٧۔ خوشنا وقتِ شام

خدا کی نظر آ رہی شان ہے — سُہانا سا اک سبز میدان ہے
ہوا سے جو سبزہ ہے لہرا رہا — تو ہے دیکھنے سے مزہ آ رہا
ہری گھاس وہ لہلہاتی ہوئی — ہوا لوٹ کر لہر کھاتی ہوئی
کوئی دل جو مٹی میں ہی مل گیا — تو ایک آدھ گُل ہی کہیں کھل گیا
وہیں ایک پہلو میں تالاب ہے — کہ دن دھوپ اور رات مہتاب ہے
یہ سبزی اسی کے سہارے پہ ہے — درختوں کا جُھرمٹ کنارے پہ ہے
لبِ آب جو ہیں شجر جھومتے — وہ ہیں جھک کی پانی کا منہ چومتے
سماں آج کل ہے گا برسات کا — مزا دن کا ہی لُطف ہے رات کا
درخت اِک جگہ ہیں جو چھائے ہوئے — ہوا دار بنگلے بنائے ہوئے
تو اک چھوٹے لڑکے نے واں آن کر — جگہ خوب موقع کی پہچان کر
رکھا سامنے اپنے جُزدان ہے — ورق پر لگائے ہوئے دھیان ہے
بہت لکھنے پڑھنے کا ہے ذوق اُسے — یہی ذوق اُسے ہے یہی شوق اُسے
خدا جانے ہے ہاتھ میں کیا کتاب — کہ اس میں ہے ڈوبا ہوا ہی دماغ

جلد ۱

اور آتی ہے جوں جوں سیاہی شام — وہ شوقین لڑکا بذوقِ تمام
جھکا جاتا ہے اس طرح غور سے — کہ کاغذ میں کیڑا ہو جس طور سے
نظر اُس کی جب تھرتھرانے لگی — سیہ شام سرمہ اُڑانے لگی
بہت بیٹھا بیٹھا جو تھا تھک گیا — اک انگڑائی لے کر وہ لڑکا اُٹھا
ملا کر بہم چھوٹے چھوٹے سے ہاتھ — ملے چہرہ پر لطفِ محنت کے ساتھ

رکھا پھر کتابوں کو جزدان میں
ٹہلنے لگا آ کے میدان میں

لگی ٹھنڈی ٹھنڈی جو منہ پہ ہوا — تو اس اُس کے آئے ٹھکانے ذرا
تھے دن کے تھکے ماندے جو جانور — وہ اپنے مقاموں پہ سب آن کر
بہم مل کے آوازیں دینے لگے — بسیرے درختوں پہ لینے لگے
وہ مل جُل کے آپس میں تھے بولتے — کہ اپنی خوش آوازیاں بولتے
درختوں پہ چڑیوں کی چوں چوں کہو — جو سمجھو تو پھر یا دبے چوں کہو
جو سبزے میں جھینگر تھے برسات کے — دئے چھیڑ انھوں نے بھی نغمات کے
کئی غول طوطوں کے جھنکارتے — گئے سبز سبز ایسے بل مارتے
تھا لڑکا بھی حیراں یہ کیا ہو گیا — کہ میداں کا سبزہ ہوا ہو گیا

جلد ۱

کیا خاتمہ دن کا جب شام نے — تو گھر کی لی راہ اس خوش انجام نے
ادھر اور ادھر کو نظر ڈالتا — چلا جاتا تھا دیکھتا بھالتا
کہ کچھ گائیں بھینسیں ملیں راہ میں — بھریں کھیت سے گھر کی تھیں چاہ میں
ٹپکتی خوشی صورتِ حال سے — عجب جا رہی تھیں لٹک چال سے
بھری دودھ سے تھن لٹکتے ہوئے — کہ مشکیزے جیسے چھلکتے ہوئے
کئی ساتھ ساتھ ان کے گوسالے تھے — کہ ماؤں نے تھن کے تلے پالے تھے
اور ایک گلہ بان پیچھے آتا ہوا — تھا الغوزہ اپنا بجاتا ہوا
ملیں راہ میں اس کو کچھ بکریاں — اور اک بوک بکریوں درمیاں
وہ دو دو دن نہائی تھیں پوتوں پھلی، — کہ دن بھر تھیں چر چگ کے گھر کو چلی
پھلر واسے بچے اچھلتے ہوئے — تھے اٹکھیلیوں سے مچلتے ہوئے

محبت سے ممیاتا جاتا کوئی
بہت تھک کے ماں کو بلاتا کوئی

وہ لڑکا جو پہنچا یہ نزدیک شہر — نظر آئی یاں اور بھی لہر بہر
دوکانوں پہ روشن سراسر چراغ — چراغوں نے گویا لگائے تھے باغ
جو رونق کہ نیچے دکانوں پہ ہے — کچھ اس سے سوا بالا خانوں پہ ہے

جلد ۱

دکھاتی جو ہیں روشنی دُور سے　　اُڑی جاتی ہیں کھڑکیاں نور سے
تصاویر و نقشوں سے گلزار گھر　　طرحدار کمرے ہوادار گھر
کہیں مل کے بیٹھے ہیں کوٹھے پہ یار　　گہے شعر خوانی ہے گاہے ستار
غزل ریختے کی ہے گاتا کوئی　　ہے گاتا کوئی اور بجاتا کوئی

لطیفوں پہ اُڑتے ہیں جو قہقہے
کہاں یاد بلبل کو یہ چہچہے

غرض ہر جگہ سے گزرتا ہوا　　تماشے خدائی کے کرتا ہوا
گیا جب کہ گھر میں وہ روشن چراغ　　تو ماں باپ بھی ہو گئے باغ باغ
خوشی سے نہ جامے میں پھولے سمائے　　بہن بھائی بولے وہ آئے وہ آئے
سلام اُس نے پہلے کیا باپ کو　　جھکایا بحُسنِ ادب آپ کو

دعا دی یہ اُس نے بھی لے کر سلام
مبارک مبارک خوشا وقتِ شام

آزاد

جلد ا

۱۸ - شفق

شفق پھولنے کی بھی دیکھو بہار ہوا میں کھلا ہے عجب لالہ زار
ہوئی شام بادل بدلتے ہیں رنگ جنھیں دیکھ کر عقل ہوتی ہے دنگ
نیا رنگ ہے اور نیا روپ ہے ہر اک روپ میں یہ وہی دھوپ ہے
طبیعت ہے بادل کی رنگت پہ لوٹ سنہری لگائی ہے قدرت نے گوٹ
ذرا دیر میں رنگ بدلے کئی بنفشی و نارنجی و چنپئی
یہ کیا بھید ہے کیا کرامات ہے ہر اک رنگ میں اک نئی بات ہے
یہ مغرب میں جو بادلوں کی ہے باڑ بنے سونے چاندی کے گویا پہاڑ
فلک نیلگوں اس میں سرخی کی لاگ ہرے بن میں گویا لگا دی ہے آگ

اب آثار ظاہر ہوئے رات کے
کہ پردے چھٹے لال بانات کے

اسمٰعیل

۱۹- شام کا جُھٹ پٹا

جلدِ اوّل

جُھٹ پٹا سا ہو گیا ہے شام کا
صاحبو یہ وقت ہے آرام کا

قصد چڑیوں نے بسیرے کا کیا
ڈھونڈتی ہیں اپنا اپنا گھونسلا

دیکھنا سورج ہی چھپنے کے قریب
تھم گئے چلتے مسافر بھی غریب

لو کبوتر بھی گرے پر جوڑ کر
لیں گے اپنے چھوٹے بچوں کی خبر

شام کو بستی سی باغوں کی طرف
اُڑ چلے کوّے بھی مل کر صف بہ صف

دن میں جو آواز تھی مدھم پڑی
بھنبھناہٹ مکھیوں کی کم پڑی

جانور دن بھر قلاچیں بھر چکے
اپنا اپنا کام پورا کر چکے

وہ جو کُٹ کُٹ کر رہی ہیں مرغیاں
ڈھونڈتی ہیں اپنے ڈربوں کا نشاں

بھیڑ بکری اُونٹ گھوڑا گاؤ خر
آن پہنچے اپنے اپنے تھان پر

اب ہوا کے تیز جھونکے رُک گئے
سو گئے پیڑ اور پتّے جھک گئے

اب کہاں باقی ہے موقع کام کا
صاحبو یہ وقت ہے آرام کا

اسمٰعیل

جلدِ اوّل

۲۰۔ شام کی آمد اور رات کی کیفیت

اے آفتاب صبح سے نکلا ہوا ہے تو
عالم کے کاروبار میں دن بھر پھرا ہے تو

ہیں روز و شب زمانے کے پیہم قدم ترے
پیمانے محنتوں کے ہیں یہ بیش و کم ترے

کلفت سے دن کی ہو گیا منہ تیرا زرد ہے
اور ڈالی اس پہ شام نے غربت کی گرد ہے

ہو تا زمانہ بس کہ ہے وابستہ شام سے
اور تو بھی ہے تھکا ہوا دنیا کے کام سے

دامانِ کوہسار میں اب جا کے سو رہو
دن بھر کا کام شام کو سمجھا کے سو رہو

آ اے شبِ سیاہ کہ لیلائے شب ہے تو
عالم میں شاہزادیٔ مشکیں نسب ہے تو

ہونا وہ بعدِ شام شفق میں عیاں ترا
اُڑنا وہ آبنوس کا تخت رواں ترا

تھا دن مگر رہا وہی عالم نگاہ میں
لہرانا پرنیان و حریر سیاہ میں

چمکے گا لشکر اب جو ترا آسمان پر
فرماں نشان میں یہ اُڑے گا جہان پر

تا صبح ہووے کارگہِ روزگار بند
آرام حکم عام ہو اور کار و بار بند

عالم پہ تو جو آتی ہے رنگ اپنا پھیرتی
ہاتھوں سے مشک اُڑاتی ہے عنبر بکھیرتی

دنیا پہ سلطنت کا تری دیکھ کر حشم — کھاتا ہے دن بھی تاروں بھری رات کی قسم

بوٹے زمیں پہ جل رہے تیرے چراغ ہیں — اور آسماں پہ کھلتے ستاروں کے باغ ہیں جلد

بجلی ہنسے تو رُخ ترا دیتا بہار ہے — شبنم کو موتیوں کا دیا تو نے ہار ہے

سب تجھکو لیتے آنکھوں پہ ہیں بلکہ جان پر
پورا ہے تیرا حکم پر آدھے جہان پر

چھائی غرض خدا کی خدائی میں رات ہے — اِس وقت یا تو رات ہے یا حق کی ذات ہے

خلقت خدا کی سوتی ہے غافل پڑی ہوئی — اور رات سائیں سائیں ہے کرتی کھڑی ہوئی

سوتا گدا ہے خاک پہ اور شاہ تخت پر — ماہی ہے زیرِ آب ہے طائر درخت پر

ہے بے خبر پڑا جو بچھونوں پہ گھر میں ہے — دامانِ دشت پر کوئی سوتا سفر میں ہے

گھوڑے پہ اپنے اونگھ گیا ہے سوار بھی — چوکا ہے بلکہ راہزنِ نابکار بھی

القصہ ہے امیر کوئی یا فقیر ہے — عورت ہے یا کہ مرد جواں ہے کہ پیر ہے

بچہ کہ ماں کی گود میں ہے یا کہ پیٹ میں — سب آ گئے ہیں نیند کی اس دم لپیٹ میں

جس کو پکارو وہ سوئے خوابِ عدم گیا
دریا بھی اب تو چلنے سے شاید ہو تھم گیا

وہ آفتاب تھا جو چمکتا جہان پر — بیٹھا تھا جس کا سکہ زمیں آسمان پر

جلد اول

کھولے ہوئے شفق کا نشاں زرق برق سے　　رکھکر کرن کا تاج نکلتا ہی شرق سے

اس کے عمل کو توڑنا تیرا ہی کام ہی　　سکہ ہی اب ستاروں کا اور تیرا نام ہے

محنت ثمر تھا اس کا تو راحت ہی پھل ترا

چاندی تھا اس کا حکم تو سونا عمل ترا

مزدور جابجا تھے جو دکھ درد پا رہے　　اور پاؤں تک سروں سی پسینے بہا رہے

بارِگراں غریبوں نے سر پر اُٹھائے ہیں　　جب چار پیسے شام کو لے گھر میں آئے ہیں

اے شب تمام دن کی مصیبت سی ہار کے

تیرے عمل میں پاؤں ہیں سوئے پسار کے

اکثر امیر لیٹے ہیں نعمت کے ناز میں　　پر دل کو ان کے دیکھو تو ہی سوز و ساز میں

سامانِ عیش سب ہیں مہیا کئے ہوئے　　جو مانگئے زمانہ ہی حاضر لئے ہوئے

مخمل کا فرش ہی مگر آرام ہی نہیں

جھپکے پلک سو اس کا کہیں نام ہی نہیں

اور ان کے زیر سایہ پڑا اک غریب ہی　　دن بھر اُٹھاتا بوجھ وہ آفت نصیب ہے

تھا صبحدم کا نکلا ہوا گھر سے کام کو　　وہ حق حلال کر کے گھر آیا ہی شام کو

اب اپنی نانِ خشک کو پانی میں چور کر　　کھایا ہی اور مست پڑا ہے تنور پر

جلد اوّل

سر پر قیامت آئے تو اس کو خبر نہیں
سونا تو آنکھ میں ہی مگر پاس زر نہیں

یہ بھی نہ کہنا تم کہ جو آرام عام ہے — وہ سب دلوں کے واسطے غفلت کا جام ہے
بندے خدا کے ایسے یہاں بے شمار ہیں — دن سے زیادہ رات کو مصروف کار ہیں
کیجئے ذرا خیال کہ ملائے نکتہ داں — بیٹھا ہی سر جھکائے بپائے چراغ داں
کرتا نظر ہے متن پہ بھی حاشیہ پہ بھی — مضموں جو بیحد گرہیں اُلجھتے کبھی کبھی

بیٹھا حرام کرکے ہے آرام و خواب کو
کیڑے کی طرح لگ گیا ظالم کتاب کو

ہیں مدرسے کے طالب علم اپنے حال میں — کل صبح امتحان ہی سو اس کے خیال میں
مل مل کے یاد کرتے ہیں آپس میں دور سے — پڑھتے جدا جدا بھی ہیں کچھ فکر و غور سے
کرلیں جو کچھ کہ کرنا ہی شب درمیان ہے — کل صبح اپنی جان ہے اور امتحان ہے

جی چھوڑ بیٹھے مرد یہ ہمت سے دور ہی
قسمت تو ہر طرح ہی پہ محنت ضرور ہی

اور وہ جو لکھ پتی ہی مہاجن جہان میں — آدھی بجی ہے پر وہ ابھی ہی دکان میں
گنتی میں دام دام کے ہی دم دئے ہوئے — بیٹھا ہی گود میں بہی کھاتا لئے ہوئے

جلد ا

ہے سارے لین دین کی میزاں تمام کی
لیکن غضب ہے بدھ نہیں ملتی چھدام کی

اور دیکھنا نجومیِ دانا کی شان کو | ہے کس نظر سے دیکھ رہا آسمان کو
اک آنکھ دوربین پہ ہے اک کتاب پر | ہے محو اپنے زائچہ میں اک حساب پر
گنتی ہے اس کی تاروں سے ہی گنتے تمام رات | پر اب تو فکر ہے یہی دن بھر تمام رات

اک جنتری بناؤں کہ طرزِ جدید ہو
چمکے جو اس میں اپنا ستارہ تو عید ہو

اے رات تیرے پردۂ دامن کی اوٹ میں | دزدِ سیاہ کار بھی ہے اپنی چوٹ میں
بیٹھا نقب لگا کے کسی کے مکاں میں ہے | اور ہاتھ ڈال اس کی ہر اک ایک آن میں ہے
اسباب سب اندھیرے میں گھر کا ٹٹول کر | ہے چپکے چپکے دیکھ رہا کھول کھول کر

لے جائے گا غرض کہ جو کچھ ہات آئے گا
دیکھو کمایا کس نے ہے اور کون اڑائے گا

اس تیرہ شب کے پردہ میں شاعر جو چور ہے | پھرتا ٹٹولتا ہوا مانند کور ہے
مطلب اڑاتا شعر سے مضمون غزل سے ہے | لاتا پر ایسے ڈھب سے لفافہ بدل کے ہے

تعریفیں اس کی کرتے ہیں جو شعر سنتے ہیں
مضموں گیا ہے جن کا وہ سر بیٹھے دھنتے ہیں

عالم ہے اپنے بسترِ راحت پہ خواب میں — آزاد سر جھکائے خدا کی جناب میں،
پھیلائے ہاتھ صورتِ اُمیدوار ہے — اور کرتا صدقِ دل سے دعا بار بار ہے
مجھکو تو ملک سے ہے نہ ہے مال سے غرض — رکھتا نہیں زمانہ کے جنجال سے غرض،
یا رب یہ التجا ہے کرم تو اگر کرے
وہ بات دے زباں پہ کہ دل میں اثر کرے

اے رات یہ جو تو نے سرِ شام آن کر — سجادۂ سیاہ بچھایا ہے تان کر
اور اس پہ حق پرست کہ یادِ خدا میں ہے — بیٹھا رہِ فنا پہ ہوائے بقا میں ہے
اس کو اسی کی ذات سے ہے لو لگی ہوئی — اور دل میں دم بدم ہے تگ و دو لگی ہوئی
کب تک رہے حباب گلا گھونٹ گھونٹ کر
اپنی ہوا میں ایک ہو پھر ٹوٹ پھوٹ کر

دریا میں چل رہا کہیں اک دم جہاز ہے — اہلِ جہاز جن کا خدا کارساز ہے
بیٹھے اسی کی آس پہ ہیں دل دیے ہوئے — کچھ حسرتیں ہیں دل میں کچھ ارماں لیے ہوئے
بادِ مراد دیتی ہو لائے مُراد ہے — پر دل کو بھولتی نہیں طوفاں کی یاد ہے
آنکھیں سبھوں کی لگ رہی ہیں بادبان پہ — اور جاتی ہے دعا کی صدا آسمان پر
یہ سب کے سب ہیں بیٹھے ہوا کی اُمید پہ
اے ناخدا تو رہیو خدا کی امید پہ

جلدِ اوّل

دل دے رہا جو شیرِ محبت کے جام ہے
ماں دیکھو اپنی نیند کو کرتی حرام ہے

ہر چند کام کاج سے ہو دن کے تھک رہی
بچے کو ہاتھ سے ہے برابر تھپک رہی

او کہتی ہے کہ مجھکو پڑے یا نہ کل پڑے
ایسا نہ ہو کہ یہ کہیں ڈر کر اچھل پڑے

ماں کو تو سوتے جاگتے اُس کا دھیان ہے
کروٹ نہیں بدلتی کہ ننھی سی جان ہے

پر جلیے حیف حال اسی جان بلب کا ہے
سب جس کو کہہ رہے ہیں کہ مہمان شب کا ہے

دن بھر دوا غذا میں رہا غیر حال ہے
لیکن ہے اب یہ حال کہ بچنا محال ہے

بتی چراغِ عمر کی ہے جھلملا رہی
اور بیکسی سرہانے ہے آنسو بہا رہی

اے رات مجھکو فکر یہی بار بار ہے
اس کی تو زندگی کوئی دم کا شمار ہے

کون اس کا ساتھ دیویگا ہو صبح جب تلک
روئے گا کوئی شام کے مردے کو کب تلک

آزاد آفریں ترے لطفِ زبان کو
پر کروٹ اب ہے رات نے دی آسمان کو

سب اپنے اپنے کام میں ہیں دل دیئے ہوئے
تو کیوں ہے بیٹھا بادۂ غفلت پئے ہوئے

کوئی گھڑی تو ہوش خرد سے بھی کام لے
وقتِ سحر قریب ہے اللہ کا نام لے

آزاد

۲۱۔ رات

جلدِ اوّل

گیا دن ہوئی شام آئی ہے رات
خدا نے عجب شے بنائی ہے رات

نہ ہو رات تو دن کی پہچان کیا
اُٹھائے مزہ دن کا انسان کیا

لگے ہونے اب ہاٹ بازار بند
زمانہ کے سب کار اور بار بند

ہوئی رات خلقت چھٹی کام سے
خموشی سی چھائی سرِ شام سے

مسافر نے دن بھر کیا ہے سفر
سرِ شام منزل پہ کھولی کمر

درختوں کے پتّے بھی چپ ہو گئے
ہوا تھم گئی پیڑ بھی سو گئے

اندھیرا اُجالے پہ غالب ہوا
ہر اک شخص راحت کا طالب ہوا

ہوئے روشن آبادیوں میں چراغ
ہوا سب کو محنت سے حاصل فراغ

کسان اب چلا کھیت کو چھوڑ کر
کہ گھر میں کرے چین سے شب بسر

تھپک کر سُلایا اُسے نیند نے
تردّد بھلایا اُسے نیند نے

غریب آدمی جو کہ مزدور ہیں
مشقّت سے جن کے بدن چُور ہیں

وہ دن بھر کی محنت کے مارے ہوئے
وہ ماندے تھکے اور ہارے ہوئے

نہایت خوشی سے گئے اپنے گھر
ہوئے بال بچے بھی خوش دیکھ کر

گئے بھول سب بال بچوں کا غم سوئے سو گئے اُٹھیں گے اب تا دمِ زوم

کہاں چین یہ بادشہ کو نصیب

کہ جس بے غمی سے ہیں سوتے غریب

اسمٰعیل

۲۲- خوابِ راحت

خوابِ راحت بھی ہے عجب چیز کیا عالمِ بیخودی ہے چھایا

اے نیند۔ نمونۂ قیامت تو نے ہمیں آنکھ سے دکھایا

تو آئی ہوئے حواس بیکار کیا جانئے تو نے کیا سنگھایا

جس وقت اُتر گئی گھٹا سی آنکھوں کا چراغ ٹمٹمایا

پھر چھوڑ گئی ہمیں جہاں میں پھر زیست کا ذائقہ چکھایا

پایا تو کبھی تجھے نہ دیکھا دیکھا تو کبھی تجھے نہ پایا

ہے تیری عجیب حکمرانی دنیا کی پلٹ گئی ہے کایا

رن میں فوجوں کو جا بچھاڑا بن میں شیروں کو جا دبایا

دہقان کو کھیت میں کیا چت گو کھیت کو گیدڑوں نے کھایا

ریوڑ کی خبر نہیں کہاں ہے — چرواہے کو گھاس پر لٹایا
لینے کو درخت پر بسیرا — چڑیوں نے پروں میں سر چھپایا
ڈھوروں نے بھی چھوڑ دی جگالی — چُپ ہیں نہیں کان تک ہلایا
ماؤں کو دیا ہے تو نے آرام — بچوں کو تھپک تھپک سُلایا
روتے روتے جھپک گئی آنکھ — جھولے میں جُھلا رہی ہے دایا
بیڑی سے رُکا نہ ہتھکڑی سے — محبوس کو قید سے چھڑایا
شاہوں کی بھی کرّ و فر مٹا دی — نہ تاج نہ تخت نے رعایا
زرّیں پردے نہ فرشِ مخمل — ایواں ہے گُم سجا سجایا
جب سو گئے ہو گئے برابر — کب شاہ و گدا میں فرق پایا
جج کے بھی حواس ہیں معطّل — فیصل ہوئے قصّہ و قضایا
ٹھنڈا ہوا تاجروں کا بازار — سودے کا معاملہ چُکایا
ہے نقد کہاں کدھر گئے نوٹ — ساہوکاروں کو کھک بنایا
لالہ کو نہیں رہی ذرا سُدھ — کیا ڈیوڑھا اور کیا سوایا
بنیوں کا اُلٹ دیا ہے ٹرّ — روکڑ ہے نہ جنس ہے نہ مایا
بیمار کی آنکھ لگ گئی ہے — دکھ درد کا کرب سب مٹایا

جلد اوّل

کچھ ہوش نہیں ہے ڈاکٹر کو ٹِپکس لگے زخم پر کہ پھاہا
اوسان نہیں حکیم جی کو کیا نیند نے نسخہ سُنگھایا
پنڈت بھی ہوئے نچنت ایسے اشنان کیئے نہ جل چڑھایا
مُلّا کو بھی ہو گیا ہے نسیاں بھولا ہے مسائلِ ھدایا
تعریف نہ کر سکا مہندس کیا شکل ہے قائم الزوایا
جغرافیہ داں کی راہ گم ہے لٹکا ہے کدھر کدھر ملایا
کچھ یاد نہیں مؤرخوں کو کیا کیا بر روئے کار آیا
بھولا ہے کتاب طالبِ علم اُلٹا تو نے سبق پڑھایا
مطرب کی عجیب گت بنائی کھڑاگ جہان کا بھلایا
چونکا نہیں قافلہ تری کا ہرچند جہاز ڈگمگایا
چیتے نہیں ریل کے مسافر انجن نے ہزار غل مچایا
باقی نہ رہا کوئی تردد جھگڑوں میں تھا جان کو کھپایا
سب مشغلے ہو گئے فراموش اپنا ہی رہا نہ کچھ پرایا
دنیا کی خبر نہ دین کا ہوش کیا ساغرِ بیخودی پلایا

تو نے کیا نیند کو مسلط
قدرت ہی بڑی تری خدایا

جلد اوّل

اسمٰعیل

۲۳- آسمان اور ستارے

اگر تیری قدرت کی کاریگری — نہ کرتی سمجھ بوجھ کی رہبری
تو وہ سر پٹکتی ہی رہتی مدام — طلب میں بھٹکتی ہی رہتی مدام
بنائی ہے تو نے یہ کیا خوب چھت — کہ ہے سارے عالم کی جس میں کھپت
یہ سقفِ کہن ہے ابھی تک نئی — اسے دیکھتے یوں ہی دنیا گئی
زمیں پر گئیں کتنی نسلیں گزر — رہی اس کی ہیئت پہ سب کی نظر
اسے سب نے پایا اسی ڈھنگ میں — اسے سب نے دیکھا اسی رنگ میں
عجب ہے یہ خیمہ رسن ہے نہ چوب — ہمیشہ مصفّا ہے بے رفت و روب
نہ در ہے نہ منظر نہ کوئی شگاف — اُدھر سے اُدھر تک ہے میدان صاف
جھروکا نہ کھڑکی نہ در ہے نہ چھید — عجب تیری قدرت عجب تیرے بھید
بنایا ہے کیا دستِ قدرت نے گول — چُرس ہے نہ جُھرّی نہ سلوٹ نہ جھول

جلد اوّل

عجب قدرتی شامیانہ ہے یہ
نظر کی پہنچ کا ٹھکانا ہے یہ

یہ تارے جو ہیں آتے جاتے ہوئے — چمکتے ہوئے جگمگاتے ہوئے
نظر آرہے ہیں عجب شان سے — ہیں لٹکے ہوئے سقفِ ایوان سے
چراغ ایسے روشن جو بن تیل ہیں — یہ تیری ہی قدرت کے سب کھیل ہیں
یہ لعل و گہر ہیں جو بکھرے پڑے — زمیں سی بھی ہیں ان میں اکثر بڑے
نظر میں جو اتنے سے آتے ہیں یہ — بہت دور چکّر لگاتے ہیں یہ
پڑے اپنے چکّر میں ہیں گھومتے — ترے حکم کے ذوق میں جھومتے
یہ قائم ہیں تیری ہی تقدیر سے — بندھے ہیں ہم سخت زنجیر سے
وہ زنجیر کیا ہے کشش باہمی — نہ اس میں خلل ہو نہ بیشی کمی
عجب تو نے باندھی ہے یہ باگ ڈور — تُلا سب کا رہتا ہے آپس میں زور
یہ سب لگ رہے ہیں اسی لاگ پر — لگاتے ہیں چکر اسی باگ پر

نشہ میں اطاعت کے سب چور ہیں
کہ قانونِ قدرت سے مجبور ہیں

اسمٰعیل

۴۲۔ تاروں بھری رات

جلد اوّل

اے چھوٹے چھوٹے تارو کہ چمک دمک رہے ہو
تمہیں دیکھ کر نہ ہووے مجھے کس طرح تحیّر
کہ تم اونچے آسماں پر جو ہے کُل جہاں سے اعلیٰ
ہوئے روشن اس روش سے کہ کسی نے جَڑ دیئے ہیں
گہر اور لعل گویا

جو ہیں آفتابِ تاباں نے چھپایا اپنا چہرہ
وہیں جلوہ گر ہوئے تم یہ تمہاری جگمگاہٹ
ہے مسافروں کے حق میں بڑی نعمت اور راحت
اگر اتنی روشنی بھی نہ میسّر آتی ان کو
تو غریب جنگلوں میں یوں ہی بھولتے بھٹکتے
نہ تمیز راس و چپ کی نہ طرف کی ہوتی اٹکل
نہ نشانِ راہ پاتے

وہ غریب کھیت والے وہ امیدوار دہقاں

کہ کھڑی ہے جن کی کھیتی — کہیں کھیت کٹ رہا ہے

جلاہوں

کہیں گہ رہا ہے خرمن — کہیں آنکھ ان کی جھپکی

یونہی شام سے سحر تک — ہیں تمام رات جاگے

نہ گھڑی ہے واں نہ گھنٹہ — نہ شمار وقت و ساعت

مگر اے چمکنے والو — ہو تمھیں انھیں سُجھاتے

کہ گئی ہے رات اتنی

وہ جہاز جن کے آگے — ہے وسیع بحرِ اعظم

اِنھیں ہولناک موجوں — سے مقابلہ ہے کرنا

کوئی ہے چلا وطن سے — کوئی آ رہا ہے واپس

اِنھیں کچھ خبر نہیں ہے — کہ کدھر ہے ان کی منزل

نہ تو مرحلہ نہ چوکی — نہ سُراغ راہ کا ہے

نہ کوئی دلیل و رہبر — مگر اے فلک کے تارو

تمھیں ان کے رہنما ہو

اسمٰعیل

جلدؤں

۲۵- چاندنی

غنچۂ دل کو کھلا جاتی ہے آکر چاندنی — ہے بہ رنگِ موجِ نسیمِ گل رُوح پرور چاندنی
آسماں سے ہے چھما چھم بارشِ نور و ضیا — نور کا دریا رواں ہے با زمیں چاندنی
آسماں پُر ہے ستاروں سے فروغِ نورِ ماہ — چار سو سطحِ زمیں پر جلوہ گستر چاندنی
گلشنِ دنیا میں یہ رنگیں بہاریں تجھ سے ہیں — نور کی مورت ہے تو اے ماہ پیکر چاندنی
عجز کہتے ہیں اسے ہے نام اس کا انکسار — بچھ گئی سطحِ زمیں پر فرش بن کر چاندنی
مرمٹوں پر رکھتی ہے لطف و عنایت کی نظر — ڈالتی ہے قبر پر رحمت کی چادر چاندنی
غنچۂ خاطر کھلے جاتے ہیں کلیوں کی طرح — کس قدر ہے دلکشا کیا پر فضا ہے چاندنی
ہر روش پہ کیوں نہ اتراتی پھرے بادِ صبا — شام ہی سے باغ میں رونق فزا ہے چاندنی
باغ میں جوشِ طرب سے بلبلیں ہیں نغمہ زن — مرحبا اے اوج کیا عشرت فزا ہے چاندنی

ہے نمونہ قدرتِ صانع کا ہر سو آشکار
مظہرِ انوارِ حق شانِ خدا ہے چاندنی

اوج گیاوی

جلد اوّل

۲۶۔ چاندنی رات

دلکش تھا اک رات کا منظر — چاندنی تھی پھیلی ہوئی گھر گھر
دیر ہوئی سورج کو سدھارے — لیلیٰ شب نے بال سنوارے
چرخ بریں پر چھٹکے تارے — اک اک آ کے چمکے سارے
سائباں جو سر پہ تنا تھا — گویا بقعۂ نور بنا تھا
تاروں کا جمگھٹا گھنا تھا (ق)، ذرّے ہو کر نور چھپا تھا
چاند کے گرد تھا نور کا ہالا — لطف کہکشاں سے تھا دوبالا
پھیلا تھا ہر سمت اُجالا — روشن خوب تھا عالم بالا
زمیں پہ مہ کی نور افشانی — گویا برس رہا تھا پانی
صحنِ گلشن تھا لاثانی (ق)، صانع کو تھی خود حیرانی
چاندنی کا چھن چھن کر آنا — پتّوں میں گھُس گھُس کر جاتا
آبِ رواں میں کہیں نہانا (ق)، آنکھ کو جادو گری دکھاتا
کہیں پہ پڑنا کہیں نہ پڑنا — روشنی کا سایہ سے لڑنا
شکلوں کا بن بن کے اکڑنا (ق)، اِدھر سنورنا اُدھر بگڑنا

سرو نگہباں بنے کھڑے تھے | اپنی جگہ پہ تنے کھڑے تھے
خوابِ نازمیں پھول تھی سارے | ہلتے تھے اُن کے گھوارے
ہوا کے جھونکے جگا کے ہارے | (ق) پر نہ اُٹھے وہ نیند کے مارے
جادو ادھر تو تھا گل پر | حالت اور تھی یہ سنبل پر
پڑے پڑے انگڑائی لینا | نیند میں کاکل اُلجھا دینا
نرگس پہ تھی غنودگی طاری | خواب سے اُس کی آنکھ تھی بھاری
بلبل کو سوجھیں یہ باتیں | باغ میں چل کر کیجے گھاتیں
آئیں اُس کی عیش کی راتیں | کھائیں گلوں نے پیار کی لاتیں
قمری تھی شمشاد پہ شیدا | ایک کا عشق تھا ایک سے پیدا
اوس نے جب قطرے برسائے | سب غنچوں نے منہ پھیلائے
بن مانگے جب موتی پائے | سب اپنے دامن بھر لائے
گلچیں سے گو باغ تھا خالی | بادِ صبا تھی چھیڑنے والی
جوں ہی کسی نے آہ نکالی (ق) | پتّوں نے دی ہل کر تالی
ہو نہ سکے گا بیان شافی | بس یہ کہدینا ہے کافی
طرزِ چمن تھا معشوقانہ | صورت پیاری رنگ سُہانا

جلدِ اول

طرفہ عالم تھا صحرا کا — جھوم رہا تھا پتا پتا
خلقت تھی خوابیدہ ساری — بالکل بے خود ہوش سے عاری
دریا کی تھی بند روانی — تھا شکلِ آئینہ پانی پانی
جھیل کا نظارہ تھا نرالا — سب کو کر دیتا تھا متوالا
چکوا چکوی ہجر کے مارے — بے بس پڑے تھے جھیل کنارے
آب و تاب پانی کی سوا تھی — آئینہ بن کر عکس نما تھی
دوسرا چرخ تھا اُس کے اندر — انجم رخشاں ماہ منور
موجوں نے جب رنگ جمایا — سب کو ایک دم لرزہ آیا
دلکش ازبس تھا یہ نظارا — کیسا سہانا کیسا پیارا

قدرت کا تھا سارا افسوں
آنکھ تھی خیرہ دل تھا مفتوں

جیل یال سکینہ

۲۷۔ لُطفِ شب

فلک کواکب مہتاب سے ہُوا روشن — زمیں لیمپ میں جگنو کے جابجا روشن

یہ چاندنی کی بہار اور یہ خوشگوار فضا
یہ دلفریب مناظر یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا

چڑھا ہے ایک روپہلا ورق زمانہ پہ
برس رہا ہی تجلّی کا ابر خوش منظر

چمک ستاروں کی اپنی دکھا رہا ہی فلک
نظر اُٹھا تو ذرا جگمگا رہا ہی فلک

اُٹھا اب زمانہ کا کچھ اور رنگ ہی پیاری
زمانہ دیکھ کے یہ سین دنگ ہی پیاری

(ترجمہ نظم انگریزی طامس مور)

عزیز

۲۸- ماہتاب

اُفق پر سرِ شام ہی ماہتاب
وہ چمکا اُٹھا کر بسنتی نقاب

درختوں پہ چاندی سی چڑھنے لگی
تجلّی بھی اٹھلا کے بڑھنے لگی

روپہلی کرن آسماں پر تمام
اُڑانے لگی ریزۂ سیم خام

پڑی پانی پر چاندنی کی جھلک
دکھانے لگی موجِ دریا چمک

وہ مل مل کے ابرک شعاعِ قمر
چھڑکنے لگی سطحۂ آب پر

برسنے لگا نور افلاک سے
تجلّی اُبلنے لگی خاک سے

ہوا اس قدر روشنی کا وفور
بنی ہر کرن تارِ بارانِ نور

تجلّی کثافت کو دھونے لگی مکانوں پہ قلعی سی ہونے لگی

بنے آئینہ سارے دیوار و در

سفیدی پھری ہر در و بام پر

بینظیر

۲۹- چاندنی رات

وہ مہتاب کی آسماں پر نمود مزیّن کواکب سے چرخِ کبود

وہ کرنوں کی شبنم کے اندر بہار اُڑایا ہے چاندی کا گویا غبار

لرزتی ہے پانی پہ یہ چاندنی کہ دریا میں بجلی کی ہو روشنی

وہ لہریں کہیں تلملاتی ہوئیں چمک آئینے کی دکھاتی ہوئیں

نہیں نام کو بھی کہیں تیرگی کہ عکسِ تجلّی ہی ساری ہے میں بھی

رواں ہے یہ چاروں طرف موجِ نور کہ اُڑتے ہیں دن کی طرح کچھ طیور

شعاعوں کی اللہ رے تیزیاں قمر کے وہ جوبن کی نوخیزیاں

مگر چھوٹے چھوٹے ستارے ہیں ماند کہ آج اپنے جلوہ میں پورا ہے چاند

شعاعوں کا وہ جگمگانا کہیں ستاروں کا آنکھیں چُرانا کہیں

جلد اوّل

گرا چھن کے پتوں سے نورِ قمر
کہ ہیرے کے ٹکڑے پڑے ہیں ادھر

ہوا نیچے کاری کا یہ اہتمام
کہ مرمر پہ ہے سنگِ موسیٰ کا کام

یہ سائے ہیں اوراق سے نور کے
کہ گل سنگِ موسیٰ پہ بلّور کے

کہیں چہچہاتے ہیں کچھ کچھ طیور
کہیں شور کوّوں کا ہی دور دور

ستارے جو رہ رہ کے ٹوٹے ادھر
وہ مہتاب کے پھول تھے بے بسر

ہوئی چاندنی یہ تجلّی فشاں
کہ ہے عالمِ وجد میں آسماں

صفا بام و در میں سمائی ہوئی
درختوں پہ حیرت سی چھائی ہوئی

یہ کہتا ہے ہر اک شجر کا سکوت
فسبحانہ الذی لا یموت

بینظیر

۳۰- چاندنی کی بہار

ہی اس زمانے سے چاندنی جلوہ گر
کہ سکتے کے عالم میں ہی ہر شجر

تجلّی سے وادی یہ معمور ہے
کہ موجِ ہوا موجۂ نور ہے

وہ پھول اُجلے اُجلے ہیں جو سامنے
کٹوری سی چاندی کی سنہرے لیے

دکھاتے ہیں اس وقت کیسی بہار
کہ ہوں ٹوٹ کر جن پہ تارے نثار

چمک ریگ پر صحن بلور کی
بچھائے ہوئے چاندنی نور کی

یہ عالم جو دیکھا تو شکلِ کتاں
ہوا پارہ پارہ دلِ عاشقاں

وہ بھیگی ہوئی آبِ رحمت سے رات
کہ تر دامنوں کی ہو جس سے نجات

وہ شبنم کی خنکی وہ ٹھنڈی ہوا
وہ اشجار و آبِ رواں کی صفا

وہ شاخوں کا جھکنا لچک کر کہیں
وہ لہروں کا اُٹھنا چمک کر کہیں

وہ میدان میں چاندنی کا سماں
وہ شبنم کا گرد اس کے کچھ کچھ دھواں

نجوم و قمر کا وہ عکس آب میں
وہ پانی میں جلتی ہوئی مشعلیں

وہ ہر سمت چھایا ہوا نورِ بدر
وہ شب لیلۃ القدر کو جس کی قدر

بینظیر

۱۲۔ تارے

کہاں ہے تو اے ساقیِ بزمِ زیب
کہ تاروں بھری رات ہے دلفریب

کواکب پہ افلاک بھولے ہوئے
کنول حوضِ گردوں میں پھولے ہوئے

سمندر میں بہتے ہوئے یہ چراغ
ہے صحنِ گردوں میں تاروں کا باغ

نہیں چاند کا گو فلک پر نزول
کھلے ہیں مگر چاندنی کے یہ پھول

مسہری سجی قدرت پاک کی
بسی سیج پھولوں سے افلاک کی

قنادیل روشن عجائب نگار
مصابیحِ آیاتِ پروردگار

ستاروں کا یہ عکس تالاب میں
کہ لہراتی ہیں بجلیاں آب میں

تناسب ہے قدرت نے چھوٹے بڑے
زبرجد کے گنبد میں ہیرے جڑے

یہ خورشیدِ تاباں کے ٹانکے ہوئے
گُہر چترِ گردوں میں ٹانکے ہوئے

غضب جگمگاتی ہوئیں فردیاں
بنا کامدانی کا تھان آسماں

بھری بوٹیوں سے ردائے فلک
بنی بیل خود کہکشاں کی سڑک

شبِ تار کی شال تانے ہوئے
جہاں نیند کی دل میں ٹھانے ہوئے

مگر چشمِ انجم جھپکتی نہیں
ستاروں کی بوندیں ٹپکتی نہیں

کچھ ایسا ہی خوفِ شبِ تار ہی
کہ ہر نجم اک چشمِ بیدار ہی

کھلے کوڑیالے سر کو ہسار
کہ شبنم سے بھیگا ہوا سبزہ زار

جو سیارے بہتے ہیں ان میں رواں
وہ ہیں ان کی ترتیب کے پاسباں

جو ثابت ہیں محور بدلتے نہیں
کہ گردش اپنے پھرتے ہی چلتے نہیں

مرتب جو یہ شکلِ تجسیم ہے مہ و سال کی ان سے تقسیم ہے
ہوا یوں جو سب کا سنبھالے ہوئے فضا میں کروں کو اچھالے ہوئے
بہم ان میں جو ربطِ جذبات ہے علی قدرِ جسم و مسافات ہے
کشش ان میں ہے اور تاثیر بھی جدا گانہ تکثیف و تنویر بھی
کچھ آباد کچھ ان میں خالی بھی ہیں جلالی بھی ہیں کچھ جمالی بھی ہیں
وسیع اس قدر ہے فضائے جہاں ہیں ذروں سے کم یہ کرے بیگماں
تپش دن کو خورشید تاباں کی تھی خبر کس کو اس بزم شاہاں کی تھی

فضا آبِ انجم سے دھوئی ہوئی
شبِ ماہ حیرت میں کھوئی ہوئی

بینظیر

۳۲۔ پچھلی رات

وہ بھیگی ہوئی رات پچھلا پہر سیاہی کے پردے میں نورِ سحر
شفق کا ابھی گو نہیں کچھ نشان سہانا مگر ہو چلا آسمان
پسِ پردہ جو کچھ ہے بازی گری ہے اب تک نظر بندیوں سے بھری

کوئی دم میں بازی گرِ آسماں — چھپاوے گا یہ مہرہائے عیاں
خبر دے رہی ہے یہ رنگِ فلک — کہ تاروں نے دیکھی کسی کی جھلک
سمجھتے ہیں یہ سب جو حیران ہیں — فلک پر کوئی دم کے مہمان ہیں
نکلنے پر آئے گا جب آفتاب — خود اس کی تجلی بنے گی حجاب

ابھی گو گھڑی دو گھڑی رات ہے
مگر عین انوارِ ظلمات ہے

بے نظیر

۳۳ - ڈھلتی رات

ابھی جل رہا ہے قمر کا چراغ — کِھلا ہے سرِ چرخ تاروں کا باغ
وہ جو کہکشاں کی سڑک ہے اِدھر — شعاعوں نے چھڑکا اسے رات بھر
ہر اک سمت ہے کیا سہانا سماں — فرح بخش ہے کیسی تاروں کی چھاں

وہی شعلیں جلتی ہیں آب میں — وہی پھول پھولے ہیں تالاب میں
تجلی کا ہے ہر طرف گو ہجوم — مگر ماند ہونے لگے ہیں نجوم
پڑی ضو ستاروں کی مدھم مگر — ابھی ہنس رہا ہے چراغِ قمر

کہیں اونگھتے ہیں تہجد گزار | پڑے ہیں کہیں مست شب زندہ دار
شعاعوں کا جھونکا جو آنے لگا | چراغِ قمر جھلملانے لگا
شفق آسماں پر ہوئی خیمہ زن | گلابی رنگا چرخ نے پیرہن
دمِ صبح دالفجر پڑھنے لگا | اُجالا بھی رہ رہ کے بڑھنے لگا
پڑا بہتے پانی میں عکسِ شفق | بنی سطحِ دریا گلابی ورق
شعاعوں کی بڑھنے لگی اب بہار | بنا لالہ زارِ فلک شعلہ زار

سنہرا ہوا عارضِ چرخِ پیر
نکلنے پہ ہے آفتابِ منیر

بےنظیر

۴۴۔ نمودِ صبح

نجومِ فلک جھلملانے لگے | چراغِ سحر ٹمٹمانے لگے
وہ ٹھنڈی ہوا اور تاروں کی چھاؤں | نزولِ صفا کا وہ پیارا سماں
وہ شبنم میں بھیگی ہوئی گلبن دلفریب | ٹہلنے سے وہ شادمانی کی زیب
کھنچے کس لیے دل تہ ہر تان پر | کہ لے کر رہی ہی اثر جان پر

جالندھر دل

جلد اوّل

سُریلی صدا ہوش کھونے لگی ستاروں کو وحشت سی ہونے لگی
وہ بوٹوں میں کلیاں چٹکنے لگیں وہ شاخوں پہ چڑیاں چہکنے لگیں
وہ شبنم نے چھڑکا چمن پر گلاب نہ رہ جائے تا کوئی سرگرمِ خواب
نسیمِ سحر گُل کھلانے لگی فضائے چمن رنگ لانے لگی
ضیا آسماں سے اُترنے لگی نظر دُور تک کام کرنے لگی
عنادل گلستاں میں گانے لگے طیورِ سحر دل لُبھانے لگے
وہ پَو پھٹکے والصبح پڑھنے لگی ضیا دمبدم اور بڑھنے لگی
وہ اللہ اکبر کی آئی صدا نہا دھو کے مسجد چلے پارسا
وہ سب اولِ وقت پڑھ کے نماز ہوئے محوِ ترتیل با سوز و ساز
وہ مینا پہاڑی وہ کاکا توا ہوئے آ کے شاخوں پہ نغمہ سرا
ہوئی آسماں پر وہ سرخی نمود بنا کانِ شنجرف چرخِ کبود
شعاعیں دکھانے لگیں وہ جھلک ہوئی زعفرانی بساطِ فلک
شفق میں لپٹتی کرن ضوفشاں گلے مل رہی ہیں بہار و خزاں
وہ زردی ذرا اور گہری ہوئی پہاڑوں کی چوٹی سنہری ہوئی

مطلّا ہوا گنبدِ ہر شجر
برسنے لگا ہر طرف آبِ زر

بینظیر

۳۵- سپیدۂ سحر

ریاضِ سحر میں جو پھولی شفق ہوا رنگ تاروں کا یک بار فق
نہ وہ چشمکیں ہیں نہ وہ شوخیاں نہ وہ جھمگٹے ہیں سرِ آسماں
ستارے جو چھٹکے تھے افلاک پر وہ آتے ہیں اب جابجا کچھ نظر
فراہم تھے پہلے جو انگور سے وہ اک اک کو تکتے ہیں اب دور سے
سحر کا جو دھڑکا ستانے لگا فلک اپنی افشاں چھڑانے لگا
ستارے جو تھے زیبِ بزمِ فلک جھپکتی نہ تھی جن کی اک دم پلک
وہ ایک ایک کرکے روانہ ہوئے سحر ہوتے ہی سب فسانہ ہوئے
مگر کچھ وہ ہیں رنگِ تزئینِ صبح چُنے گا انھیں دم میں گلچینِ صبح
سو وہ بھی ہیں کچھ جھلملاتے ہوئے ندامت سے آنکھیں چُراتے ہوئے
ستارے جو باقی رہے خال خال نہ ان کا رہا کچھ کسی کو خیال
جو تل کی طرح جابجا پا گیا انھیں چُن کے مرغِ سحر کھا گیا
چھڑائی تھی مہتاب گردوں نے رات اسی کے یہ سب پھول تھے بے ثبات
فلک پہ وہ کچھ روشنی صبح کی وہ ہلکی سی مہتاب کی چاندنی

جو نجمِ سحر بھی لجانے لگا — قمر اپنا بستر اُٹھانے لگا
شفق پھول کر رنگ لانے لگی — نئی آگ دل میں لگانے لگی
کھڑی ہی الگ شمع بھی کیا اُداس — پتنگوں کے کچھ ڈھیر ہیں آس پاس
اُڑا ہر طرف رنگ صبحِ بہار — فلک پر کھلا ایک بیک لالہ زار
ہوا صبحِ صادق کا جس دم یقیں — تو بستر سے اُٹھنے لگے نازنیں
کوئی شاخِ گل کی طرح جھومتا — اُٹھا کوئی ساغر کا لب چومتا
اُٹھا کوئی سرگرم حمد و سپاس — کوئی نیند کی جھونک میں بدحواس
کسی کو کوئی گدگداتا اُٹھا — کوئی منہ چھپا کر لجاتا اُٹھا
اُٹھے شہر کے زاہد و حق پرست — اُٹھے رندِ میخانہ ساغر بدست
شبِ ہجر سے ڈرنے والے اُٹھے — شبِ وصل پر مرنے والے اُٹھے
گجر صبح کا غل مچانے لگا — جو سوتے ہیں ان کو جگانے لگا
اذانوں کی آواز آنے لگی — دعا تا سرِ عرش جانے لگی

ہوا جس گھڑی کم اذانوں کا شور
اُٹھا دیر سے بید خوانوں کا شور

بینظیر

۳۶۔ بہارِ صبح

یہ اٹکھیلیوں پر نسیمِ سحر
کہ آتے ہیں جھونکوں پہ جھونکے ادھر

کھلے پھول غنچے چٹکنے لگے
چمن کے چمن لُو مہکنے لگے

اُڑی پھرتی ہے آج گُل کی شمیم
کھلاتی ہے غنچوں کو موجِ نسیم

یہ سبزے پہ قطرے ہیں چھائے ہوئے
کہ مخمل پہ موتی بچھائے ہوئے

ہوئے برگِ گُل حمد میں تر زباں
خدا نے بھرا موتیوں سے دہاں

ٹپکتی ہے شبنم جو وقتِ سحر
ہوئے وجد میں آ کے گریاں شجر

ہر اک شے پہ چھایا ہے جو رنگِ ہو
ہے سکتے میں آئینۂ آبِ جو

عجب وقت ہے یہ عجب یہ سماں
کہ حیرت کے عالم میں ہے آسماں

سُہانی سحر یہ سہانی فضا
یہ مرغانِ خوش نغمہ و خوشنوا

کہیں نغمہ زن طوطیِ خوش مقال
کہیں نالہ کش بلبلِ خستہ حال

اُٹھی ہر طرف چہچہوں کی صدا
فغانِ عنادل نے باندھی ہوا

وہ گلزار میں قمریاں نعرہ زن
وہ صحرا میں فریادِ زاغ و زغن

غرض اپنی اپنی زباں میں طیور
ہیں سرگرم تسبیحِ ربِّ غفور

یہ ہوتا ہے گردِ سحر سے عیاں
کہ آتا ہے کوئی بڑا کارواں

وہ ظلمت کا سائے میں کچھ کچھ اثر
چھپا زیر دامانِ گردِ سحر

یہ دیکھا ہی تھا چشم ادراک نے
پڑھی آیۂ فتح افلاک نے

سُنہری شعاعوں کے نیزے لیئے
ہراوَل بڑھے لشکرِ صبح کے

شفق کے پھریرے اُڑے چرخ پر
شعاعوں نے گاڑے علمہائے زر

لب جو تھا گھرے کا جو کچھ دھواں
چمکنے لگیں اُس میں چنگاریاں

شعاعوں کے جاروب نے ایک بار
کیا صحن افلاک کو بے غبار

سُنہری شعاعوں کا عکس آب میں
کہ جو گھر کرے قلب بیتاب میں

چمک کر دکھاتا ہے یہ صاف صاف
کہ آئینے کا ہے سُنہری غلاف

یہ نہروں میں عکسِ شفق کا نشاں
لگی آگ پانی میں اللہ کی شان

شعاعوں کی پانی پہ چنگاریاں
ہیں سطحِ بلوریں پہ گُلکاریاں

درختوں کے سایہ کا حوضوں میں دخل
کہ شیشوں میں ڈھالے زمرد کے نخل

کھڑے ہیں خموش اب شجر صف بصف
کہ عالم ہے سناٹے کا ہر طرف

بینظیر

جلد دوم اول

۳۷۔ طلوعِ آفتاب

چڑھا دن۔ کرن جھلملانے لگی
کڑی دھوپ تیزی دکھانے لگی
کمندِ شعاعی پکڑ کر شتاب
سرِ بام وہ چڑھ گیا آفتاب

بینظیر

۳۸۔ صبح کی چہل پہل

مہر کی لو سورج نے نظر کی
کایا پلٹی دنیا بھر کی
شہر میں دیکھو کوئی گرہستن
دھوتی ہی بیٹھی گھر کے برتن
کوئی اُٹھی ہے جھاڑو دے کر
جھاڑ رہی ہے کپڑے بستر
بچّوں کا منہ اک نے دُھلا کر
رکھ دیا آگے ناشتہ لاکر
لڑکوں نے۔ لے بغل میں بستہ
گھر سے لیا اسکول کا رستہ
میں آ۔ تو آ۔ یہ آ۔ وہ آ
لگ گئی بازاروں میں رچا
گھوڑا۔ گھی۔ ٹمٹم۔ یکہ
شکرم۔ تانگا۔ بہلی چھکڑا

جس کے جدھر ہیں سینگ سماتے — آتے جاتے نظر ہیں آتے جلد اوّل
بائیسکل پر کوئی چڑھا ہے — پیدل کوئی آگے بڑھا ہے
منشی۔ بابو فیشن ایبل — دیکھ رہے ہیں ٹائم ٹیبل
لیس ہوئی خلقت ساری — کاروبار کی ہے تیاری

کوئی کہاں تک لکھتا جائے
کوزے میں دریا کیسے سمائے

سیّد علمدار حسین

۳۹۔ گرمی کا موسم

مئی کا آن پہنچا ہے مہینہ — بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ
بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا — ہوا پیروں تلے پوشیدہ سایہ
چلی لُو اور تڑاقے کی پڑی دھوپ — لپٹ ہے آگ کی گویا کڑی دھوپ
زمیں ہے یا کوئی جلتا توا ہے — کوئی شعلہ ہے یا پچھوا ہوا ہے
در و دیوار ہیں گرمی سے تپتے — بنی آدم ہیں مچھلی سے تڑپتے
پرندے اُڑکے ہیں پانی پہ گرتے — چرندے بھی ہیں گھبرائے سے پھرتے

درندے چھپ گئے ہیں جھاڑیوں میں — مگر ڈوبے پڑے ہیں کھاڑیوں میں
نہ پوچھو کچھ غریبوں کے مکاں کی — زمیں کا فرش ہے چھت آسماں کی
نہ پنکھا ہے نہ ٹٹی ہے نہ کمرہ — ذرا سی جھونپڑی محنت کا ثمرہ
امیروں کو مبارک ہو حویلی
غریبوں کا بھی ہے اللہ بیلی

اسمٰعیل

۴۰۔ گرمی کی شکایت

جوش ہے یہ بہار میں اس سال — لب جو پر ہے عکس کا تجال
لالے کے ہر چراغ پر اس آن — لٹ دھوئیں کی ہے شاخ نافرمان
جل گئیں بتیاں رہ گیا ہے کاٹھ — روشنی کا سا داربست ہے ٹھاٹھ
بوند کو دل صدف کا ترسے ہے — ابر نیساں سے آگ برسے ہے
اب زمیں پر زبس پڑے ہے دھوپ — سرسوں کے کھیت کا سا ہی کچھ روپ
سائے کی تیرگی پہ کر تو نگاہ — قرب سے دھوپ کے ہوا ہی سیاہ
خلق کا تشنگی سے ہے یہ حال — طفل کو مشک و جواں کو پکھال

تو بھی نیت انھوں کی بھرتی نہیں — پیاسے مرتے ہیں پیاس مرتی نہیں
پانی کتنا ہی پیٹ میں ہو اب — شکل آئینہ خشک رہتے ہیں لب جلد اول
رات سووے زمیں پہ جو انسان — کروٹیں یوں لے جوں توے پر نان
پسّو جب کاٹتے تب وہ مارے ہاتھ — سر و سینہ کو پیٹے ساری رات
گرمی پڑتی ہے یا خدا کا قہر — کیا کہوں تجھ سے میں کہ شہر بہ شہر
پادشاہوں کی پادشائی ہے — آگ بیتال کی دہائی ہے

غیر تہہ خانہ جائے امن نہیں
اب کچھ آرام ہے تو زیر زمیں

سودا

۴۱۔ گرمی کا موسم

آج کل کچھ گرم ایسا ہو گیا ہے آفتاب — آ رہا ہے یاد لوگوں کو قیامت کا عذاب
جس کو دیکھو اپنے بستر پر پڑا ہے بیقرار — بے بسی میں لے رہا ہے کروٹیں سیماب وار
ہے کسی مضطر کے سر پر تولیہ بھیگا ہوا — دے رہا ہے کوئی منہ پر اپنے چھینٹا آب کا
ہے کسی تفتہ جگر کو ٹھنڈے پانی کی تلاش — برف کی رکھے ہوئے ہے کوئی منہ میں اپنے قاش

آگ کی مانند پنکھے سے نکلتی ہے ہوا
بادِ کش کو شعلہ کش گرمی نے بالکل کر دیا

جل اُٹھا راستے میں دھوپ کے جو پڑ گیا پامال ہے
تابِ دوزخ سے مشابہ ہے یہ لُو کا حال ہے

لُو کے معمولی تھپیڑے میں نکل جاتا ہے دم
ایسی حالت میں کوئی باہر نکالے کیا قدم

ہو گئی ہے جان کو ہر وقت کی آندھی عذاب
گرد کے مارے نظر آتا ہے سارا گھر خراب

آسماں پر یا الٰہی آگ کیسی لگ گئی
ہوتی رہتی ہے جو یوں بھوبھل کی بارش ہر گھڑی

شدتِ گرمی سے سونا ہو گیا قطعاً حرام
دیکھیے ہوتا ہے کب تک اس بلا کا اختتام

کیا کہیں کس بیقراری سے بسر ہوتی ہے رات
لُو کی آفت سے نہیں اس وقت بھی ملتی نجات

ہو نہیں سکتا ہے اس آفت میں ادنیٰ کاروبار
موسمِ باراں کا بے حد ہو رہا ہے انتظار

دیکھیں ہادی کب بدلتا ہے فلک کا انتظام
دیکھیں کب لاتی ہے بارش زندگانی کا پیام

ھادی

۴۲- گرمی کی شدّت

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار

ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخِ باردار

گرمی نہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
جلدِ اوّل پتے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے جلدِ دوا

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

انیس

۳۴۔ گرما

گرمی کا ہوا ہے گرم بازار
جینے سے ہوئی ہے روح بیزار

دیکھو جسے رنگِ چہرہ فق ہے
گرمی سے بدن عرق عرق ہے

لالی چہرہ پہ وہ نہیں ہے
نیلم لبِ لعلِ نازنیں ہے

تسکین پیاس کو نہیں ہے
استسقا ہونے کا یقیں ہے

گرمی ازبس کہ بے سری ہے
کیا خاک اُڑاتی سر چڑھی ہے

پانی کے عوض زمیں پہ بارے
گردوں سے برستے ہیں شرارے

کیسا ہی مکان کو بناؤ اور خس کی بھی ٹٹیاں لگاؤ
چھڑکی جائیں وہ گو دمادم اور پنکھے بھی چل رہے ہوں پیہم
ہو دھوپ کا بھی بچاؤ ہر چند رخنے ہوں شعاع آنے کے بند
پانی کی صراحیاں بھری ہوں اور برف کی قلفیاں دھری ہوں
سامان طرب ہوں سب سراسر پر چین کہاں جو پائیں دم بھر
جب بادِ سموم آئی سن سے ستّانے نکل گئے بدن سے
رہنے کا کہاں رہے ٹھکانا
تنّور بنے جو سر دخانا

سید احمد عاشق

ہم ہم - گرما

ہوا میں تمازت کا ہے یہ اثر کہ اُڑتے ہیں ذرّے برنگِ شرر
نہ سایہ نہ سبزہ نہ پانی کہیں دہکتی ہوئی وہ ریتیلی زمیں
وہ لُو اور گرمی خدا کی پناہ کہ ریگِ بیاباں کی حالت تباہ
زمیں پر اگر رکھدے لاکر کوئی بھری مشک بھی سوکھ جائے ابھی

ذرا بھی اگر اس طرف کو اُٹھے — تو پائے نگہ میں پڑیں آبلے
پرندوں کا ہو اس طرف جو گذر
بلندی سے جُھن کر گریں خاک پر

بینظیر

۴۵۔ شبِ گرما

بچھا صحن میں تھا بڑا سا جو تخت — وہاں آکے بیٹھا وہ فرخندہ بخت
لگا سامنے آکے دستار خوان — بہم کھا کھلا کر ہوئے شادماں
فراغت ہوئی کھانے پینے سے جب — بچھونوں پہ آئے قرینے سے تب
برابر، برابر بچھے تھے پلنگ — پڑیں چادریں اُن پہ مہتاب رنگ
فلک نیلگوں رنگ نکھرے ہوئے — ستارے تمام اُن پہ بکھرے ہوئے
چمک کر چڑھا چرخ پر چاند تھا — کہ سورج کا منہ کر دیا ماند تھا
اِدھر چاند نی نور پھیلا رہی — سیاہی اُدھر رنگ دکھلا رہی
وہ چھائی ہوئی رات تاروں بھری — کہ چادر ہو جیسے ستاروں بھری
پلنگڑی پہ لڑکا تھا لیٹا ہوا — کہ بیٹا تھا شکر لپیٹا ہوا

جلد اوّل

پدر تھا جو تاریخ کا رازداں — سُناتا تھا ہر دم نئی داستاں
دیا یہ مزہ اِن حکایات نے — کہ انگڑائی گردوں پہ لی رات نے
ہوا آکے پنکھا ہلانے لگی — ہر اک کو غرض نیند آنے لگی
تھکے ماندے دن بھر کے تھے ہو رہے — دوپٹے لئے تان اور سو رہے
بیاں کیا کروں رات کی شان کا — زمانہ میں عالم ہے سنسان کا
پڑا نیند میں مست سارا جہاں — نہ تھے چور باقی نہ تھے پاسباں
پڑے سوئے سب ایسے مدہوش تھے — کہ گھڑیال تک بھی تو خاموش تھے
درختوں میں تھیں جو گزرتی ہوائیں — زمانہ پڑا کرتا تھا سائیں سائیں
شبِ تار بھی نیند میں آن کر — سیہ چادر اپنی پڑی تان کر
ہمیشہ زمانہ کا دستور ہے — اندھیرے سے کرتا عیاں نور ہے
کہ چمکا ستارہ سحرگاہ کا — ہوا رنگ پھیکا رُخِ ماہ کا
ستاروں کی آنکھیں جھپکنے لگیں — تعجب سے مشرق کو تکنے لگیں
شبِ تار کا رنگ فق ہو گیا — چراغِ سحر جاں بحق ہو گیا
سحر کے جو عالم نمودار تھے — دھوئیں اُڑ رہے تھے شبِ تار کے
لگے بولنے سب سحرگر طیور — گئی اِن کی آواز نزدیک و دور

وہ لڑکا تھا جو بستر خواب میں — ستارہ ہو جوں چادر آب میں
اُٹھا کر کہا اُس نے تکیے سے سر
سلام علیکم مبارک سحر

آزاد

۴۶۔ آندھی

سرخ آندھی بھی کیا قیامت ہے — قہر ہے اک بلا ہے آفت ہے
ہوتا ہے کیا مہیب نظارا — خون بن جاتا ہے افق سارا
گرد کا شامیانہ تنتا ہے — اک نیا آسمان بنتا ہے
سرسراہٹ کی اک صدا اُٹھ کر — کرتی ہے سب کو پہلے ہی سے خبر
شور کرتی ہوئی جب آتی ہے — سر پہ دونوں جہاں اُٹھاتی ہے
راہ میں سب کے پیچھے پڑتی ہے — مل گیا جو اسی سے لڑتی ہے
سخت جھونکے جب اس کے سہتے ہیں — پاؤں چلنے میں ڈگمگاتے ہیں
خوف کھاتے ہیں بحر و بر اس سے — کانپتے رہتے ہیں شجر اس سے
کہیں رونق چمن کی کھوتی ہے — جا کے کشتی کہیں ڈبوتی ہے

باغ کو کرتی ہے خراب اک لخت — بیخ و بن سے اکھاڑتی ہے درخت
پوری طاقت پہ جب یہ آتی ہے — چلتی ریلوں کو بھی گراتی ہے
کہیں کھپریلوں کو گراتی ہے — چھپروں کو کہیں اڑاتی ہے
گھر پہ ہوتے ہیں اس کے جب حملے — رہنے پاتے نہیں بجا گملے
پیٹتی ہے کواڑوں کو آکر — توڑ دیتی ہے شیشوں کو اکثر
کہیں گلدان میز سے پھینکا — کہیں ٹکڑے آئینہ کو کیا
کہیں تصویر آکے جھٹکے سے گری — چھن سے ٹوٹی کسی جگہ چمنی
یہ گئی ٹوپی وہ گیا رومال — بس میں رکھنا ہے ان کا سخت محال
ریت کے ذرے منہ میں آتے ہیں — دانت رہ رہ کے کرکراتے ہیں
سر پہ بالوں کی ہے عجب حالت — جس کو دیکھو ہے بھوت کی صورت
کوئی کپڑوں کو جھاڑتا ہے کھڑا — آنکھیں رہ رہ کے ہے کوئی ملتا
جان کیوں کر نہ اس سے ہو بیزار — گرد کا ہر طرف ہے اک انبار
نہ دری کا پتا نہ قالیں کا — خاک کا فرش ہر طرف ہے بچھا

جب ہی آئے دن کا قصا ہے
اس کا ہادی فضول رونا ہے

ہادی

۴۷ - گرمی کا موسم

گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار
بھوبل سے سوا تھا ریگِ صحرا اور کھول رہا تھا آبِ دریا
تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں
سانڈے تھے بِلوں میں مُنہ چھپائے اور ہانپ رہے تھے چارپائے
تھیں لومڑیاں زباں نکالے اور لُو سے ہرن ہوئے تھے کالے
چیتوں کو نہ تھی شکار کی سُدھ ہرنوں کو نہ تھی قطار کی سُدھ
تھے شیر پڑے کچھار میں سُست گھڑیال تھے رود بار میں سُست
ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا بیلوں نے دیا تھا ڈال کندھا
بھینسوں کے لہو نہ تھا بدن میں اور دودھ نہ تھا گئو کے تھن میں
گھوڑوں کا چھٹا تھا گھاس دانہ تھا پیاس کا اُن پہ تازیانہ
طوفان تھے آندھیوں کے برپا اُٹھتا تھا بگولے پر بگولا
آرے تھے بدن پہ لُو کے چلتے شعلے تھے زمیں سے نکلتے
تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک پانی کی جگہ برستی تھی خاک

جلد اوّل

پنکھے سے نکلتی جو ہوا تھی — وہ بادِ سموم سے سوا تھی
سات آٹھ بجے سے دن چھپے تک — جانداروں پہ دھوپ کی تھی دستک
ٹٹّی میں تھا دن گنواتا کوئی — تہ خانہ میں مُنہ چھپاتا کوئی
بازار پڑے تھے سارے سنسان — آتی تھی نظر نہ شکلِ انسان
چلتی تھی دکان جن کی دن رات — بیٹھے تھے وہ ہاتھ پر دھرے ہات
خلقت کا ہجوم کچھ اگر تھا — یا پیاؤ پہ یا سبیل پر تھا
پانی سے تھی سب کی زندگانی — میلا تھا وہاں جہاں تھا پانی
تھیں برف پہ بیتیں لپکتی — فالودے پہ رال تھی ٹپکتی
تھے جو خفقانی اور مراقی — گرمی سے نہ تھا کچھ اُن میں باقی
کھانے کا نہ تھا اُنھیں مزہ کچھ — آٹھ آٹھ پہر نہ تھی غذا کچھ
بِن کھائے کئی کئی دن اکثر — رہتے تھے فقط ٹھنڈائیوں پر
شب کٹتی تھی ایڑیاں رگڑتے — سر پیٹ کے صبح تھے پکڑتے
بچّوں کا ہوا تھا حال بے حال — کملائے ہوئے تھے پھول سے گال
آنکھوں میں تھا اُن کے پیاس سے دم — تھے پانی کو دیکھ کرتے مَم مَم
پانی دیا گر کسی نے لا کر — پھر چھوڑتے تھے نہ مُنہ لگا کر

تخصیص تھی کچھ نہ میری تیری پانی سے نہ تھی کسی کو سیری
کل شام تلک تو تھے یہی طور پر رات سے ہے سماں ہی کچھ اور
پُروا کی دُہائی پھر رہی ہے پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے
برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اِک شور ہے آسماں پہ برپا

حالیؔ

۴۸۔ آندھی

درختوں پہ سناٹا پیدا ہوا غبار ایک جانب ہویدا ہوا
ہوا میں بڑھا جلس شورش بڑھی یکایک مگر کوئی ندی چڑھی
کہ اتنے میں جھونکے بھی آنے لگے درختوں کی گردن جھکانے لگے
بنا صحنِ محشر کا تختہ وہ بن گرے دُور جا جا کے نخلِ کہن
غضب کی قیامت کی آندھی چلی کہ رفتار سے رُک گئی ریل بھی
زمین و فلک پر یہ چھایا غبار کہ یہ وقت ہے رشکِ شب ہائے تار
یکایک جو کڑکا ہوا برق کا تو دی رعد نے بھی گرج کی صدا

جلد اوّل

بڑے زور سے مینہ برسنے لگا کسی کے لیے جی ترسنے لگا
وہ سیلاب صحرا وہ ٹھنڈی ہوا اِدھر اور اُدھر خوب پانی بھرا
اسے فضل میں دیر لگتی نہیں،
نہ ہو اس سے مایوس کوئی حزیں

بینظیر

۴۹۔ نمودِ ابر

ہوا جب جلوہ پیرا خوش نما ابر پکار اُٹھے سبھی احسنت یا ابر
نہ ہو کیوں دل کو ٹھنڈک جسم کو نور چمکتی برق ہے اور چھا رہا ابر
نضارت بڑھتی جاتی ہے بدن میں چلا آتا ہے جوں جوں جھومتا ابر
مزے کیا لے رہی ہے روح اپنی برستا ہے عجب یہ جاں فزا ابر
نکلتے تھے شرارے جس زمیں سے وہ ہے اب سبزہ زارِ پُر فضا ابر
کئے مٹی سے کیا حشرات پیدا یہ اعجازِ مسیحائی کیا ابر
نشاط اب مانگ لے حق سے دعا تو
وہ رحمت پر ہے جو ہے یہ گھرا ابر

نشاط

جلد اوّل

۵۰- آمدِ ابر

گھٹا اودی اودی سی کیا چھا گئی — بہارِ چمن رنگ پر آ گئی
پروں کو ادھر مور تولے ہوئے — گھٹائیں اُدھر بال کھولے ہوئے
وہ کوئل غضب نے بجاتی ہوئی — پپیہوں سے تانیں لڑاتی ہوئی
ہوا دوش پر شال ڈالے ہوئے — گھٹاؤں کے آنچل سنبھالے ہوئے
گھٹا میں وہ بگلوں کی ہر سو قطار — کہ ظلمت میں آبِ حیات آشکار
سیاہی میں یہ اُجلی اُجلی لکیر — رواں دامنِ کوہ میں جوئے شیر
یہ کہسار میں راہ چھوٹی ہوئی — سڑک سنگِ مرمر کی کوٹی ہوئی
زمین و فلک پر ہے مستی کا شور — گرجتے ہی بادل کے چلّائے مور
کبھی ابر گریاں۔ کبھی خندہ زن — ہے دیوانے کا سوانگ چرخِ کہن

فلک پر گرجتا ہے ابرِ مطیر
زمیں پر نہ کیوں رند گائیں کبیر

بینظیر

۵۱۔ روانیِ ابر

یہ باریک بوندیں یہ گہری گھٹا　　یہ سبزہ خنک اور ٹھنڈی ہوا
درختوں سے طائر اُڑیں کیا مجال　　پُھہاروں نے ڈالا ہے جالی کا جال
یہ نشو و نما کی سبک خیزیاں　　نسیم و صبا کی دل آویزیاں
چمن کو گھٹا کا رسالا چلا　　کہ لد کر صبا پر اٹالا چلا
گرج بادلوں کی سناتی ہوئی　　بہار آئی ڈنکے بجاتی ہوئی
ٹھہرنے کا جو نام لیتا ہے آج　　اُسے گھڑکیاں رعد دیتا ہے آج
جو کرتا ہے شوخی کچھ ابرِ رواں　　لگاتی ہیں کوڑے اُسے بجلیاں
گھٹا رقص پر دادِ مستی ہے آج　　کہ موروں پہ آوازے کستی ہے آج
بلندی کو نظروں میں تولے ہوئے　　یہ پریاں اُڑیں بال کھولے ہوئے
ہر ایک اپنی رفعت دکھانے لگی　　کہ گردوں میں تھگلی لگانے لگی
ہوا چٹکیوں میں اُڑاتی ہوئی　　انھیں انگلیوں پر نچاتی ہوئی
گرج شور تیغیں اٹھائے ہوئے　　نویں آسماں پر چڑھائے ہوئے
یہ سرگرم زینت فروشی گھٹا　　کہ آنچل لٹکنے نہ پائے ذرا

مگر زورِ مستی سے چلتا نہیں ہوا میں دوپٹہ سنبھلتا نہیں
گھٹا کو بس عشرت بجاتی ہوئی سلامی کی توپیں چلاتی ہوئی

سیہ مست بادل جو چھائے ہیں آج
یہ پابوسِ ساقی کو آئے ہیں آج

بینظیر

۵۲- رونقِ بارش

جو سوکھی زمیں پر ترشّح ہوا نکلتی ہی بو سوندھی سوندھی سی کیا
گرجتے ہیں بادل چمکتی ہے برق ہوا صحن کا صحن پانی سے غرق
گئی نیند اُچٹ پانی کے شور سے بہی جاتی ہیں نالیاں زور سے
ٹپکتی ہے بنگلے کی وہ اولتی کہ ہے تارِ سیمیں کی چلمن پڑی
ہوا زور سے چلتی ہے بار بار پہنچتی ہے کمروں کے اندر پھوار
بنا ہے جو وہ ٹین کا سائباں ہے اس وقت ارگن کا اس پر گماں
عجب لے سے پانی برستا ہے آج کہ زاہد بھی مے کو ترستا ہے آج
چٹانوں پہ کیا لطف نظّارہ ہے کہ جو بوند ہے ایک فوّارہ ہے

جلد اوّل

صبا کے طبلے نچے جو کھائے ہیں آج — تو پودے سروں کو جھکائے ہیں آج
چلی آتی ہے بدلیوں کی قطار — ہوا کے ہیں گھوڑے پہ بادل سوار
دھواں دھار اس وقت چھایا ہے ابر — فلک پر سیہ مست آیا ہے ابر
اُٹھی شاخِ گل سبزہ کو چوم کر — برستی ہے کیا کیا گھٹا جھوم کر
ہیں آراستہ سبز پوشانِ باغ — ہوا غسل سے ہر شجر کو فراغ
یکایک رُکی بوند ٹھیری ہوا — نظر آتی ہے اور ہی کچھ فضا
تر و تازہ ہر نخل ہے شاد کام — لبالب ہیں پانی سے تھالے تمام
وہ باغوں میں جھولے پڑے جابجا — وہ ساون بھی گانے لگے گلعذار
وہ آموں کے اشجار پر سامنے — کوئی کوکتا ہے بڑے زور سے
یہ ہے اس صدا کا اثر کان پر — کہ دل لوٹ جاتا ہے ہر تان پر
اِدھر کہہ رہا ہے کوئی "پی کہاں" — سُنا یہ تو قابو میں پھر جی کہاں
کہیں کوئی چلا رہا ہے کہ ہاں — ذرا دیکھنا اس گھڑی کا سماں

پروں کو سمیٹے ہوئے وہ طیور
درختوں پہ بیٹھے ہیں کیا دور دور

بےنظیر

جلدِ اوّل

۵۳- برکھا رُت

گرمی کی تپش بُجھانے والی
سردی کا پیام لانے والی

قدرت کے عجائبات کی کان
عارف کے لیے کتابِ عرفان

وہ شاخ و درخت کی جوانی
وہ مور و ملخ کی زندگانی

وہ سارے برس کی جان برسات
وہ کون خدا کی شان برسات

آئی ہے بہت دعاؤں کے بعد
اور سینکڑوں التجاؤں کے بعد

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اک شور ہے آسماں پہ برپا

ہے ابر کی فوج آگے آگے
اور پیچھے ہیں دل کے دل ہوا کے

ہیں رنگ برنگ کے رسالے
گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے

ہے چرخ پہ چھاؤنی سی چھاتی
اک آتی ہے فوج ایک جاتی

جاتے ہیں مہم پہ کوئی جانے
ہمراہ ہیں لاکھوں توپ خانے

توپوں کی ہے جب کہ باڑ چلتی
چھاتی ہے زمین کی دہلتی

مینھ کا ہے زمیں پر ڈیرا
گرمی کا ڈبو دیا ہے بیڑا

بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی
آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی

جلد اول

گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں — جنت کی ہوائیں آ رہی ہیں
کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی — قدرت ہے نظر خدا کی آتی
سورج نے نقاب لی ہے منہ پر — اور دھوپ نے تہ کیا ہے بستر
باغوں نے کیا ہے غسل صحت — کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت
سبزہ سے ہے کوہ و دشت معمور — ہے چار طرف برس رہا نور
ٹیلا ہے نہ ہے سڑک نمودار — اٹکل سے ہیں راہ چلتے رہوار
ہے سنگ و شجر کی ایک وردی — عالم ہے تمام لاجوردی
پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار — دولھا سے بنے ہوئے ہیں اشجار
پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل — ہے گونج رہا تمام جنگل
کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو — اور مور جھنگھارتے ہیں ہر سو
کوئل کی ہے کوک جی لبھاتی — گویا کہ ہے دل میں بیٹھی جاتی
مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے — سنسار کو سر پہ ہیں اٹھاتے
ابر آیا ہے گھر کے آسمان پر — کلمے ہیں خوشی کے ہر زباں پر
مسجد میں ہے وردِ اہلِ تقویٰ — یَا رَبِّ لَنَا وَلَا عَلَیْنَا
مندر میں ہے ہر کوئی یہ کہتا — کرپا ہوئی تیری میگھ راجا

جلد اول

کرتے ہیں گرو گرو گرنتھی گاتے ہیں بھجن کبیر پنتھی
جاتا ہے کوئی ملہار گاتا ہے دیس میں کوئی گنگناتا
بھنگی ہیں نشہ میں گاتے پھرتے اور بانسریاں بجاتے پھرتے
سَرون کوئی گا رہا ہے بیٹھا چھیڑا ہے کسی نے ہیر رانجھا
رکھشک جو بڑے ہیں جیو مت کے ڈھکتے ہیں یوں پہ ڈھکتے پھرتے

کرتے ہیں وہ یوں جیوں کی رکھشا
تا جل نہ بجھے کوئی پتنگا،

کچھ باغوں میں جا بجا گڑے ہیں جھولے ہیں کہ سو بسو پڑے ہیں
کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کم سن جن کے ہیں یہ کھیل کود کے دن
ہیں پھول رہی خوشی سے ساری اور جھول رہی ہیں باری باری
جب گیت ہیں ساری مل کے گاتی جنگل کو ہیں سر پہ وہ اُٹھاتی،
اِک سب کو کھڑی جھلا رہی ہے اِک گرنے سے خوف کھا رہی ہے
ہے ان میں کوئی ملار گاتی اور دوسری پینگ ہے چڑھاتی
گاتی ہے کبھی کوئی ہنڈولا کہتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا

اِک جھولے سے وہ گری ہے جا کر
سب ہنستی ہیں قہقہے لگا کر

جلد اوّل

ندی نالے چڑھے ہوئے ہیں   تیراکوں کے دل بڑھے ہوئے ہیں
گھڑ ناؤ پہ ہے سوار کوئی   اور تیر کے پہنچا پار کوئی
بگلوں کی ہیں ڈاریں آکے گرتی   مرغابیاں تیرتی ہیں پھرتی
چھلکے ہیں یہ پاٹ ندیوں کے   دن بھر میں ہیں بیڑے جا کے لگتے
زوروں پہ چڑھا ہوا ہے پانی   موجوں کی ہیں صورتیں ڈرانی
ناویں ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں   موجوں کی تھپیڑیں کھا رہی ہیں
ملاحوں کے اُڑ رہے ہیں اوسان   بیڑے کا خدا ہی ہے نگہبان
منجھدھار کی رَو یہ زور پر ہے
مچھلی کو بھی جان کا خطر ہے

حالی

۵۴۔ برکھا رُت

اُٹھ ساقی برکھا رُت آئی   بجلی چمکی بدلی چھائی
پانی برسا بادل گرجا   پڑے ہیں جھولے باغ میں ہر جا
اُڑیں ملاریں گرے ہنڈولے   گائیں سکھیاں پپیہے بولے

رات کو جھینگر پھونکے نفیری
دن کو ساون گائے بھنبیری
کہیں پوربیے آلہا گائیں
جھولے ڈالیں پینگ لگائیں
اپنے رنگ میں سب متوالے
کجری گائیں بنارس والے
چمک رہا ہے سارا جنگل
سارے درخت ہیں تاڑا منڈل

اگلا جھولے بگلا جھولے
کریا ماس کریلا پھولے

علایل کنتوری

۵۵۔ برسات

وہ دیکھو اٹھی کالی کالی گھٹا
ہے چاروں طرف چھانے والی گھٹا
گھٹا کے جو آنے کی آہٹ ہوئی
ہوا میں بھی اک سنسناہٹ ہوئی
گھٹا آن کر مینہ جو برسا گئی
تو بے جان مٹی میں جان آ گئی
زمیں سبزے سے لہلہانے لگی
کسانوں کی محنت ٹھکانے لگی
جڑی بوٹیاں پیڑ آئے نکل
عجب بیل پتے عجب پھول پھل
ہر اک پیڑ کا اک نیا ڈھنگ ہے
ہر اک پھول کا اک نیا رنگ ہے

جلد دو، اپریل

یہ دو دن ہیں کیا ماجرا ہو گیا　　کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا
جہاں کل تھا میدان چٹیل پڑا　　وہاں آج ہی گھانس کا بن کھڑا
ہزاروں پُھدکنے لگے جانور
نکل آئے گویا کہ مٹّی کے پر

اسمٰعیل

۵۶۔ برسات

ابھی اندھیرا ابھی اُجالا بادل تو بر تو　　بوندا بادی کبھی پُھوار اور کبھی دھڑا دھڑ رو
جنگل جنگل کوسوں جل تھل گویا ساگر تھال　　ٹیلے ٹھیٹی گھور اور مینڈھے ماپو کی تمثال
جھیلیں، تال، تلاؤ، تلیئیں جیسے چھلکتا جام　　سڑکیں، لیکھیں، باٹ، ڈنڈیئیں ندیاں بنی تمام
تیز ہوا کی ٹکر کھا کر جھیلوں میں اک جوش　　لہریں چکر بھبوربیٹاریں اُٹھتی دوش بدوش
لانبے پل کیا چھوٹی پلیئیں ڈانون تک بھرپور　　پلٹیں کھاتا جھاگ اُڑاتا پانی کرتا شور
جھاڑی بوٹی روکھ اور پودے اونچے نیچے پیڑ　　بچھ بچھ جاتے جھاسے کھا کر موج ہوا کی ایڑ
ایک تو یہ سنکی موسلا دھاریں پھر پروا کا زور　　کھیت گرے مکا کے جیسے دُم گرائے مور
سارس، بگلے، بط، مُرغابی، مور اور چپے ہزار　　اُڑتے اِک اِک اوج ہوا پر کوئی باندھ قطار

ڈبکی ماریں تیریں اُچھلیں کبھی مچائیں شور
پھر بھی سوکھے واہ رے ان کے پر پرزوں کا زور

حافظ جنتعل

جلال مراد آبادی

۵۷- بارش

ابر تھا چھایا ہوا اور فصل تھی برسات کی
تھی زمیں پہنے ہوئے وردی ہری بانات کی

آفتاب اوڑھے ہوئے تھا چادرِ ابرِ سیاہ
برق کی چشمک زنی سے خیرہ ہوتی تھی نگاہ

بادل اتنے میں دُرِ ناسفتہ برسانے لگے
داستانِ قلزم و عماں کو دُہرانے لگے

جھوم کر اُٹھی گھٹا، برسی، برس کر چھٹ گئی
گرد کی چادر زمیں کے مُنہ سے فوراً ہٹ گئی

بادلوں سے نورِ خورشید اِس طرف چھننے لگا
سائباں قوسِ قزح کا اُس طرف تننے لگا

سبزہ زاروں میں کلیلیں کرتے پھرتے تھے ہرن
تھا مہابن کا ہر اک کونا ختن اندر ختن

جنگلوں میں مست ہو کر ناچتی پھرتی تھی مور
کوہساروں میں چکوروں نے مچا رکھا تھا شور

ڈھل کے پہنچا تھا اُفق کے آسماں تک آفتاب
تھی شفق کی اس کے مُنہ پر ایک نارنجی نقاب

یہ نظر آرا مناظر تھے کچھ ایسے دل فریب
ہاتھ سے جاتا رہا دل میرا اور دل شکیب

عالمِ ازخود رفتگی کا مجھ پہ طاری ہوگیا
جوشِ مستی کا مری ہر رگ میں ساری ہوگیا

ظفر علی خان

۵۸۔ فضائے برشگال

اُٹھا وہ جھوم کے ساقی چمن میں ابرِ بہار
چٹک رہی ہیں شگوفے برس رہی ہے پھوار
سہی قدوں کا ہے جھمگٹ کنارِ آبِ رواں
کہ برج میں لبِ جمنا ہے گوپیوں کی قطار
ترانہ ریز ہے یوں شاخِ سرو پر قمری
کہ جیسے گاتی ہو مدھ بن میں کوئی سُندر نار
ہے موتیوں کی لڑی یا قطار بگلوں کی
ہوا میں اُڑتے ہیں جگنو کہ چھوٹتے ہیں انار
عجب نشاط ہے بادہ کشو چلو تو سہی
پیامِ عیش ہے لایا چمن میں ابرِ بہار

سرور جہان آبادی

۵۹۔ فضائے برشگال

ذوقِ مے نوشی بڑھاتی ہے گھٹا برسات کی
اور لیے اُڑتی ہے مستوں کو ہوا برسات کی

ابر دریا، سبزہ، ساقی، یار، مطرب، دختِ رز
ہوں یہ سب ساماں تو پھر دیکھیں فضا برسات کی

رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں تو عروسانِ چمن
پتی پتی سے برستی ہے ادا برسات کی

مور ناچے کوئلیں کوکیں، پپیہے بول اُٹھے
وصل کے دن آ گئے، فصل آئی کیا برسات کی

ساقیا جام و سبو سے ایسی آرائش بڑھے
آ کے میخانہ پہ صدقہ ہو گھٹا برسات کی

امیر

۶۰- ابر کی آمد

لہرا دیا صبا نے جو کل سبزہ زار کو
ووہیں گھٹا نے گھیر لیا چشمہ سار کو

جوشِ خروشِ رعد نے یہ دھوم دھام کی
ہرگز کوئی کسی کی نہ پہنچا پکار کو

بجلی تڑپ تڑپ کے دکھانے لگی چمک
رونق ہوئی دو چند ہر اک برگ بار کو

کچھ گھر رہا ہے ابر سپید و سیاہ و سرخ
مستانہ جھوم جھوم چلے کوہسار کو

ہم مشرب اپنے چند جواں تھے سو نہر پر
تشریف لے گئے وہ بتوں کے شکار کو

انشا

۶۱- ابرِ کرم

چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر
اور اُٹھنا آسماں کی طرف جھوم جھوم کر

بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی
سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی

آتی اِدھر صبا ہے اُدھر سے نسیم بھی
اور ان کے ساتھ ساتھ ہی آتی شمیم بھی

مستی میں جھومنا وہ جوانانِ باغ کا
جُھک جُھک کے لینا ہاتھ سے گل کے ایاغ کا

سبزہ کے عکس سے در و دیوار سبز سبز
سیراب باغ و دشت تو کہسار سبز سبز

ان سبز سبز کیاریوں پہ دل ہیں لوٹتے
طوطے بہ رنگ طائرِ بسمل ہیں لوٹتے

شبنم عجب بہار ہے اپنی دکھا رہی
موتی بکھیرتی ہے جواہر لُٹا رہی

پتوں پہ آبِ رنگ سے مینا لگا رہیں
ٹپکیں اگر ہوا سے تو ہیرے کا ہار ہیں

لو بادل اب گرجتے ہوئے سر پہ آ گئے
اور شامیانے شرق سے تا غرب چھا گئے

کیا مست آیا جھوم کے سرشار ابر ہے
برسے گا آج خوب دھواں دھار ابر ہے

لیکن یہ باجرا سا برسنا پُھوار کا
ہیگا پیام ابرِ بہاری کے تار کا

بوندوں میں جھومتی وہ درختوں کی ڈالیاں
اور سبز کیاریوں میں وہ پھولوں کی لالیاں

وہ ٹہنیوں میں پانی کے قطرے جھلک رہے
وہ کھاڑیاں بھری ہوئیں تھالے چھلک رہے

آبِ رواں کا نالیوں میں لہر مارنا | اور روئے سبزہ زار کا دھو کر سنوارنا
گرنا وہ آبشار کی چادر کا زور سے | اور گونجنا وہ باغ کا پانی کے شور سے
جل تھل ہیں کوہ و دشت میں تالاب آب کے | گویا چھلک رہے ہیں کٹورے گلاب کے
ہر جا پہ طائرانِ چمن غول غول ہیں | آپس میں بولی بول کے کرتے کلول ہیں
کوئل کا دور دور درختوں پہ بولنا | اور دل میں اہل درد کے نشتر گھنگولنا
طاؤس کا وہ دُم کو چنور کر کے ناچنا | اور مورنی کا اشک کے موتی کو جا چنا
لیکن چمن سے ناچ کے چلتا جو مور ہے | اک قہقہہ بہ طنز لگاتا چکور ہے
املی کے اک درخت میں جھولا پڑا ہوا | اور ساتھ اُس کے آم کا ٹپکا لگا ہوا
جھولوں میں نوجواں ہیں پینگیں چڑھا رہے | اور بچے آم کے ہیں پپیئے بجا رہے
ساون کے گیت اٹھا رہے طوفاں دلوں میں ہیں | پردیسیوں کی یاد سے ارماں دلوں میں ہیں
پھر مجھ کو رشک ہے اسی مستِ مدام پر | جس کی کہ میکشی نہیں موقوف جام پر
مستانہ پن میں رکھتا ہے دیوانہ طور بھی | مستانے ساتھ رکھتا ہے دو چار اور بھی
سبزہ پہ لوٹتا ہے دماغ آسماں پہ ہے | اور ورد مدام یہ مطلع موزوں زباں پہ ہے

یوں پھوٹ کر جو ہیں گل و ریحاں نکل پڑے
کیا جانے کن دنوں کے ہیں ارماں نکل پڑے

آزاد

جلد اوّل

۶۲۔ برسات

رُت ہے برسات کی بہت پیاری موجزن جھیلیں ندیاں ساری
کھیت دھانوں کے لہلہے شاداب کر رہے ہیں نظر کی دلداری
بدلیاں چھا رہی ہیں گردوں پہ زرد اودی سنہری زنگاری
کیا ہری دوب جنگلوں میں ہے سبز مخمل سے ہی سوا پیاری
ہر طرف کھل رہے ہیں گل بوٹے
جن سے شرمندہ باغ کی کیاری ہے

۶۳۔ لطفِ برشگال

آتے ہی جہاں میں فصلِ برسات جی اُٹھے زمیں کے سب نباتات
چلنے لگیں دل کشا ہوائیں اُٹھنے لگیں جھوم کر گھٹائیں
اُمڈے ہیں عجیب دھج کے بادل برسے وہ گرج گرج کے بادل
کوئل کی صدا پپیہوں کا شور پر کھول کے ناچتے ہوئے مور

سر سبز وہ جنگلوں میں جھاڑی — سبزہ سے ڈھکے ہوئے پہاڑی
خود رو پھولوں کی شوخ رنگت — بھینی بھینی وہ مست نکہت
ہے کیسی نظر فریب و مرغوب — نازک نازک ہری ہری دوب
خوش پھر رہے ہیں چرند چرتے
ہیں چوکڑیاں غزال بھرتے

جالندھر — عزیز

۶۴- برق و باراں

بن گیا ہے کس قدر تاریک بالکل آسماں — بادلوں کو دیکھ کر دل کہہ رہا ہے الاماں
غیر ممکن ہے گرج سن کر کوئی گھبرا نہ جائے — قہر برپا کر دیا ہے بادلوں نے ہائے ہائے
ہو گیا ہے برقِ سوزاں کا فلک پر اقتدار — جھاڑتی پھرتی ہے ظالم ہر طرف اپنا شرار
کوندتی ہے اس طرح ہو ہو کے ہر دم بیقرار — چل رہی ہے تیغ گویا آسماں پر بار بار
ہر طرف معلوم ہوتی ہے لگی اک آگ سی — اللہ اللہ اس قدر سرعت یہ آئی وہ گئی
کیا تعجب ہے وہ ملتی ہے جو رہ رہ کر زمیں — اڑ گئی ہے آج شاید آسماں کی میگزیں
دفعتہً آتی ہے پھر اک ہرہراہٹ کی صدا — دو کے کھیتوں میں ہے بالکل دھواں چھایا ہوا

رفتہ رفتہ یہ دھواں نزدیک بالکل آگیا
بڑھ گئی پہلے سے بھی اب ہرہراہٹ کی صدا

دیکھتے کیا ہیں کہ بارش سر کے اوپر آگئی
ہر طرف پڑنے لگیں بوندیں پٹاپٹ زور کی

دیکھ کر یہ طفل بیرنا پیر سب مسرور ہیں
یاس و غم ان کے دلوں سے اب تو کوسوں دور ہیں

ہیں کہیں جھولے کہیں ساماں ہیں پکوان کے
دل خوشی سے ہر طرف لبریز ہیں انسان کے

ھادی

۶۵- برسات

آئی گھنگھور گھٹا چھا گئے بادل ہر سو
آئیں بگلوں کی قطاریں سوئے دریا اُڑ کر

کوئلیں کوکیں پپیہوں نے صدا دی دلکش
ہو کے خوش موروں نے بھی ناز سے پھیلا دیئے پر

فاختہ دیدہیں ہی سرو سہی کے مشغول
مسکراتے ہوئے غنچوں پہ ہے بلبل کی نظر

بھونرے ہے کرنے لگے پھولوں کی بلا گردانی
آ کے سب بیٹھ گئے نغمہ سرا شاخوں پر

بال سنبل کے جو اُلجھے ہوئے پائے اُس نے
شانہ کرنے لگی منقار سے قمری آکر

آئی برسات ہرے پھر ہوئے دل کے یہ زخم
باغ میں پھرتے ہیں جنوں خیز ہواؤں کا گزر

نہال عظیم آبادی

جلد اوّل

۶۶۔ برسات

اُمڈ کے آئی ہے گھٹا، سیاہ چھائی ہی گھٹا
جو فرق ہے تو نام میں سحر میں اور شام میں
غضب ہی رعد کی کڑک رہی جس سے دل دھڑک
جھڑی لگی ہی زور کی
کچھ انتہا ہے شور کی

وہ ہو رہا ہے شور کچھ وہ جا رہے ہیں مور کچھ
بنا کے حلقہ ایک دم یہ کیسے ہو گئے بہم
ہی ایک بیچ میں کھڑا عجب ولاسے ناچتا
جو تال سم میں مل رہی
تو سارے پر ہیں ہل رہی

کہیں جو لال ابر ہے وہ مایہ سوز صبر ہے
ہے آہ کتنی دل رُبا فلک میں سُرخیِ حنا
ہے جس کا عکسِ خوشنما پکھ یوں زمیں پہ پڑ رہا

کہ ہے نگاہِ عام میں
سحر کا لُطف شام میں

سحر

۶۷۔ برسات

رُت ہی برسات کی بہت پیاری
موج زن جھیلیں ندیاں ساری

کھیت دھانوں کے لہلہے شاداب
کر رہے ہیں نظر کی دلداری

کیا ہری دُوب جنگلوں میں ہے
سبز مخمل سے ہے سوا پیاری

ہر طرف کھل رہے ہیں گل بوٹے
جن سے شرمندہ باغ کی کیاری

ننھی ننھی برستی ہیں بوندیں
رُوح پر ہوتی ہے خوشی طاری

سوندھی سوندھی زمین کی مٹی،
بھینی بھینی چمن کی بو پیاری

کوکلا بگلا کوئلیں طاؤس
اپنی تانیں سناتے ہیں پیاری

قازیں مُرغابیاں بطیں سُرخاب
جھیلوں کے ساتھ کرتی ہیں یاری

شفقِ سُرخ رنگ لائی ہے
لالہ گوں ہے سپہر زنگاری

بدلیاں چھا رہی ہیں گردوں پر
زرد، اودی، سنہری زنگاری

سیرِ مچھی بھون کی چل کر دیکھ کیا نمایاں ہے قدرتِ باری
مچھلیوں کی چمک میں ہے چھل بل
جیسے رقصاں بتانِ فرخاری

میر

۶۸- برسات

پرندوں نے ہر سو مچائی ہے دھوم کہ آئے ہیں بادل سیہ جھوم جھوم
جو پر اپنے پھیلا کے ناچے ہے مور تو مینڈک نے پانی میں ڈالا ہے شور
پپیہوں کی پی پی وہ کوئل کی کوک کلیجے سے عاشق کے نکلے ہے ہوک
جہاں سارا دم بھر میں جل تھل ہوا
کہ اک چادرِ آب جنگل ہوا

طور

مستانہ اُٹھیں بڑھیں اُمنڈ کر
آفاق پہ چھا گئیں سراسر

دل کھول کے بحر و بر پہ برسیں
دم بھر میں تمام جھیلیں بھر دیں

بارش کا جو تار لگ گیا تھا
رحمت کا پیام لا رہا تھا

قطرے جو زمیں پہ ٹوٹتے تھے
فوّارے کروڑں چھوٹتے تھے

مخلوق کے دل کو چین آیا
خوش خوش ہی ہر ایک پیر و برنا

اطفال بہم نہا رہے ہیں
پانی کی خوشی منا رہے ہیں

رحمت کا نزول ہو چکا ہے
سرشار ہر اک شجر کھڑا ہے

ہر شاخ نہا نہا کے نکھری
قدرت نے کیئے نثار موتی

ہر پھول سے رنگ ہے ٹپکتا
ہر برگ سے زندگی ہویدا

آواز پپیہا دے رہا ہے
خاموش سا ہر شجر کھڑا ہے

عشاق کا دل ہے محوِ تاثیر
سنّاٹے میں دشت مثلِ تصویر

فریاد میں دردِ دل نہاں ہے
مفہوم فغاں سے پی کہاں ہے

اس زور سے چیختا ہے پیہم
رہ جاتا ہی چپ وہ ہو کے بیدم

کوئل وہ نظیرِ قیس و لیلی
جان سوختہ سانولی سلونی

پُر سوز گداز اس کی آواز
مجبوروں کے دردِ دل کی ہمراز

گلزار ہیں باغ اس کے دم سے
پر کیف و باغ اس کے دم سے
چوپایوں کے صاف ستھرے گلے
رمنوں میں اُدھر ادھر ہیں چرتے

سبزے میں سفید اور کالے
بھاتے ہیں نگاہ کو وہ کیسے

حسرت

۲۷- برسات

پانی کھلا ہے اس دم برس کر
دیکھیں تو چل کر جنگل کا منظر
آتا نظر ہے قدرت کا جلوہ
چاروں طرف ہی سبزہ ہی سبزہ
کیسی ادا سے بہتے ہیں جھرنے
پانی کی موجیں نکلی ہیں پھرنے
پانی میں کیسی دولت بہادی
قدرت نے سیر و چاندی گلادی
گرتا چٹانوں سے کیسے اچھل کر
گودی میں سبزہ کی جاتا مچل کر
جاتا تو یوں کوئی سُن گن نہ پائے
سبزہ کی چادر سے مُنہ کو چھپائے
پانی کے تھمنے سے پھیلا اُجالا
سورج نے پردہ سے منہ نکالا
اُٹھ کر چلے ہیں پانی کے مارے
نالوں کو پھاندا پہنچے کنارے

کب تک نہ بھیگے خود کو سنبھالے
سر پر کھڑے ہیں بھادوں کے جھالے

فقیر

۷۳۔ برسات کی بہار

برسات ہے۔ کیا بہار آئی | قدرت نے دکھائی کبریائی
ہے ابر سیہ فلک پہ چھایا | رُت بدلی نیا سماں ہے آیا
اب فتح کے بج رہے ہیں باجے | دنیا میں ہیں میگھ راج راجے
اس فتح کی کو بکو ہے شادی | عشرت کی ہے چار سو منادی
سبزہ ہے اگا روش روش پر | قدرت نہیں خار کو خلش پر
قطرے شبنم کے کیا پڑے ہیں | ہیرے الماس پر جڑے ہیں
سبزہ نہیں لہلہاتا بن بن | نکلا ہے زمیں کا پھوٹ جوبن
جب سے پیک صبا نے آ آ | مژدہ ہے بہار کا سنایا
غنچے آپس میں مسکرائے | بیساختہ گل بھی کھلکھلائے
پھولے ایسے خوشی میں آکر | جامے سے نکل پڑے ہیں باہر

باندھے ہوئے شبنمی عمامہ پہنے ہوئے سُرخ و سبز جامہ
گل مثلِ عروس ہیں سراپا اور برگ بنے ہوئے ہیں دولھا
طاؤس جھنپورے کیے ہوئے دُم ہے رقص میں بیخودی سے وہ گم
بھینی بھینی شمیم خوش بو
ٹھنڈی ٹھنڈی نسیم ہرسو

سیّد احمد عاشق

۴۷- جوشِ بارش

کچھ عجب بارش نے آکر جوش پیدا کر دیا
جس طرف دیکھو وہیں ہے غول بچوں کا کھڑا
کودتا ہے شوق میں ہو ہو کے کوئی بیقرار
خود بخود کوئی پھسل کر گر رہا ہے بار بار
مل رہا ہے کچھ اسی تفریح میں اس کو مزا
ایک کو چاروں طرف دوڑا رہا ہے دوسرا

ہر طرح کی ان میں باہم ہو رہی ہے دل لگی،

مار دیتا ہے کسی کو بے خبر پا کر کوئی

دوسرے کا ایک پر جس وقت چل جاتا ہے داؤں

بے تحاشا کھینچ لیتا ہے پکڑ کر اس کا پاؤں

ہیں کہیں جھولے کہیں سامان ہیں پکوان کے

دل خوشی سے آج ہیں لبریز ہر انسان کے

گا رہے ہیں مست ہو ہو کر ترانے شوق کے

چہلیں کرتے پھر رہے ہیں ہر طرف چھوٹے بڑے

جلالؔ

ھادی

۷۵۔ کثرتِ بارش

کیا کہوں اب کے کیسی ہی برسات
جوشِ باراں سے بہ گئے ہیں پاٹ

بوند تھمتی نہیں ہے اب کے سال
چرخ گویا ہے آب در غربال

جیسے دریا اُبلتے دیکھے ہیں
یاں سو پرنالے چلتے دیکھے ہیں

وہی یکساں اندھیر برسے ہے
آسماں چشم وا کو ترسے ہے

ماہ و خورشید آب سے نکلتے ہیں ‏ تارے ڈوبے ہوئے اُچھلتے ہیں
روز و شب یہاں ہمیشہ جھمکا ہے ‏ ان دنوں رنگِ برق چمکا ہے
ابرِ رحمت ہی یا کہ زحمت ہی ‏ ایک عالم غریقِ رحمت ہے
نہ ہے جلسہ نہ ربطِ یاراں ہی ‏ شہر میں ہے تو باد و باراں ہی
آدمی ہیں سو کب نکلتے ہیں ‏ مردمِ آبی پھرتے چلتے ہیں
ہر طرف ہیں نظر میں ابرِ سیاہ ‏ پانی ہی جس طرف کو کیجے نگاہ

لکھیے کیا میرؔ مینہ کی طغیانی
ہو گئی ہے سیاہی بھی پانی

میر

۷۶- بادل کا کھلنا

چھٹا ابر ہیں دھوپ کے کچھ نشاں ‏ پرندے بھی ہونے لگے پرفشاں
وہ ہر شاخ پر کوئلیں بار بار ‏ اُڑاتی ہیں بیٹھی ہوئی کیا ملار
اِدھر سے اُٹھا لو پپیہوں کا شور ‏ اِدھر تانیں کیا کیا لگاتے ہیں مور
ہے تو سِ قزح چرخ پر جلوہ گر ‏ ابھی تک نہیں آتا سورج نظر

ہوئی شوخ ہر رنگ کی اب بہار — دھنک میں شعاعیں ہوئیں آشکار
پڑیں زرد کرنیں وہ ہر برگ پر — زمرّد پہ چڑھنے لگا آبِ زر
ہوا سے ہٹی ابر کی جو نقاب — یکایک ہوا جلوہ گر آفتاب
نہ وہ سیل ہے اب نہ اب وہ گھٹا — بھری ہیں گڑھالیاں جابجا
شکایت ہے گلیوں میں کیچڑ کی عام — ہیں پر صاف بستی کی سڑکیں تمام
یہ سب بیٹھتے تھے جو لپٹے ہوئے — چلے اب وہ دامن سمیٹے ہوئے
ہوئی رونقِ تازہ ہر کارمیں — نکلنے لگے لوگ بازار میں
کسان اور دہقان بایک دگر — کدار اور ہل رکھ کے خود دوش پر
وہ بیلوں کو اپنے ہنکاتے ہوئے — چلے نٹ ملاری وہ گاتے ہوئے
وہ کیڑے مکوڑے ہزاروں ادھر — لگے رینگنے ہر طرف خاک پر
وہ تالاب اُڑتی تھی کل جس میں گرد — نکل آئے مینڈک وہاں زرد زرد
وہ کیڑے کہ جو سر بسر خاک تھے — وہ پانی کے پڑتے ہی سب جی اٹھے

سمجھ میں نہیں آتی کچھ اور بات
مگر تھا یہ بارانِ آبِ حیات

بینظیر

جلد اوّل

۷۷۔ بادل کا پھٹنا

وہ ہوا نے زور باندھا اور بادل پھٹ گیا
کھل گیا خورشید کا چہرہ کہ پردہ ہٹ گیا

بچھ گیا ہے دھوپ سے سونے کا پتّر ہر طرف
خوب برساتی ہیں کرنیں مُن زمیں پر ہر طرف

صحن سونے کا ہی چھت سونے کی گھر سونے کے ہیں
پُھول پھل پتّے ہیں سونے کے شجر سونے کے ہیں

کیمیا گر ہے مگر عالم میں خورشیدِ فلک
جس کی صنعت سے پہاڑوں میں ہے سونے کی چمک

مختلف چڑیاں اُڑیں کوّے اُڑے چیلیں اُڑیں
اپنے اپنے آشیانے سے ابابیلیں اُڑیں

بھوک سے ہیں سب پرندے اور چرندے بے حواس
ڈھونڈھتا ہے کوئی کیڑے کوئی پھل اور کوئی گھاس

ہے نرالی سب سے خرگوشوں کے چلنے کی ادا
کیا بھلی معلوم ہوتی ہے اُچھلنے کی ادا

سبز میدانوں میں پھرتے ہیں ہرن چرتے ہوئے
دیکھ لیتے ہیں مگر چاروں طرف ڈرتے ہوئے

شوق قدوائی

۷۸- برسات کی شام

دن ہے کم دیکھو ہٹا مغرب سے وہ ابر سیاہ
کھل گئی دنیا میں آنے کے لیے کرنوں کی راہ

بن گیا خورشید ہلکے رنگ کے سونے کا طشت
دھوپ سے کچھ کچھ سنہرے ہو گئے اشجار و دشت

وہ شفق کی سرخ رنگت اور فلک کا مرغزار
ساونی پھولی ہوئی گویا دکھاتی ہے بہار

کوہ کے دامن میں یا لالے کا تختہ ہے عیاں
یا جسے کہتے ہیں یہ چرخ اِک کوہ ہے آتش فشاں

جلوہ گر ہے چرخ پر سورج کے پرتو سے دھنک
یا اُٹھا پردہ کھلی محرابِ ایوانِ فلک
یا کسی کے واسطے کھولے ہے آغوش آسماں
یا لیے ہے دوش پر ترکِ فلک اپنی کماں
دستکاری اپنی کی معمارِ قدرت نے عیاں
سات رنگوں سے رنگا ہے طاقِ قصرِ آسماں

جلدِ اوّل

شوق قدوائی

۷۹۔ شبِ ابر

اے ابر تیری رات کی تعریف اگر کروں
لازم ہے پہلے میں رہِ ظلمات سر کروں
کیا کیا بیاں کروں میں تری رات کا مزا
گر رات کا مزا ہے تو برسات کا مزا
سنسان رات اور وہ آئی ہوئی گھٹا
چاروں طرف جہان میں چھائی ہوئی گھٹا

بجلی کبھی کبھی نگہ فتنہ ساز سے
کرتی نقابِ ابر میں چشمک ہے ناز سے

اور کوکنا پپیہے کا وہ دل کی ہوک سے
نالہ کو اپنے تولنا کوئل کی کوک سے

کوٹھے پہ ٹھنڈے ٹھنڈے بچھونے وہ اوس میں
ہے گل کو فخر آوے اگر پائے بوس میں

آنا وہ بھیگی بھیگی ہوا کا کبھی کبھی
بول اٹھنا مرغ نغمہ سرا کا کبھی کبھی

آرام کہہ رہا ہے کہ میرے ہی ہو رہو
قسمیں ہے دیتی نیند کہ بس اب تو سو رہو

آزاد لکھتے لکھتے ہے آدھی تو ڈھل گئی
اور شمع لالٹین میں ساری پگھل گئی

طولِ امل کو اپنے اب انجام دیجئے
کوئی گھڑی تو آپ بھی آرام لیجئے

آزاد

جلد اوّل

۵۰۔ سوزِ فرقت اور شبِ ابر

اُٹھی ہے جو کالی گھٹا اس طرح — مجھے کل پڑے بے ترے کس طرح
اندھیرے میں بجلی کا یہ کوندنا — مرے دل کی حسرت کا یہ روندنا
یہ ساون کی راتیں یہ گھرا ابر — بھلا کس طرح آئے پھر دل کو صبر
تڑپتا ہوں جز شوق دے کون ساتھ — نہیں سوجھتا ہاتھ کو آج ہاتھ
یہ سنّاٹا پانی کا ٹھنڈی ہوا — وہ حسرت بھری بانسری کی صدا
جو اُڑتی ہے چاروں طرف یہ پھوار — انی کی طرح ہوتی ہے دل کے پار
درختوں پہ وہ جگنوؤں کی بہار — کہ اُڑتے ہیں نالوں سے میرے شرار
ہیں سکتے میں تنہا موروں کی شور سے — گرجنے لگا رعد بھی زور سے
ہوئے جاتے ہیں ایک اب بحر و بر — برستا ہے کیا ابر جی کھول کر

بہت زور سے چل رہی ہے ہوا
عجب کیا کہ چھٹ جائے دم میں گھٹا

اِدھر دیکھو وہ کھل چلا آسماں — ستارے بھی دو اک ہوئے ضو فشاں
بڑھانے کو دل کا مرے اضطراب — وہ چمکیں شعاعیں میانِ سحاب

جلدِ اوّل

لئے ہاتھ میں نیزہ ہر اک کرن
لگی کھولنے بندِ زخمِ کہن

نظر آتی ہیں دُور جو جھاڑیاں
ہیں اس دم درندوں کا ان پر گماں

یہ لو چاندنی میں ہوا دشت غرق
لگی لوٹنے میرے سینے پہ برق

وہ کوئل پپیہا وہ چلاّئے مور
یہاں بڑھ گیا اور وحشت کا زور

غضب چھوٹی چھوٹی سی کرنیں اُدھر
مہرِ آب ہیں کس طرح جلوہ گر

شبِ ہجر میں آج یہ چاندنی
کھلاتی ہے میرے جی کی مجھ کو کنی

جگر پارہ پارہ ہے دل چُور ہے
بشر ہائے کس درجہ مجبور ہے

نہ ہے چین دل کو نہ آنکھوں میں خواب
بنا ہوں میں سرتا بپا اضطراب

فلک پر ثوابت نہ سیّارے ہیں
انگیٹھی ہے گردوں یہ انگارے ہیں

مرے رب۔ مرے ارحم الراحمیں
سحر ہو گی اس رات کی یا نہیں

بے نظیر

۸۱۔ برکھا رُت اور پردیس

بیزار اک اپنی جان و تن سے
بچھڑا ہوا صحبتِ وطن سے

غربت کی صعوبتوں کا مارا — چلنے کا نہیں ہے جس کو یارا
غمخوار ہے کوئی اور نہ دلجو — اک باغ میں ہے پڑا لبِ جو
ہیں دھیان میں کلفتیں سفر کی — آپے کی خبر ہے اور نہ گھر کی
ابر اتنے میں اک طرف سے اُٹھا — اور رنگ سا کچھ ہوا کا بدلا
برق آکے لگی تڑپنے پیہم — اور پڑنے لگی پھوار کم کم
ساماں ملے جو دل لگی کے — یاد آئے مزے کبھی کبھی کے
دیکھے کوئی اس گھڑی کا عالم — وہ آنسوؤں کی جھڑی کا عالم
وہ آپ ہی آپ گنگنانا — اور جوش میں آ کبھی یہ گانا
اے چشمۂ آبِ زندگانی — گھٹیو نہ کبھی تری روانی
جاتی ہے جدھر تری سواری — بستی ہے اُسی طرف ہماری
پائے جو کہیں مری سبھا کو — دیتا ہوں میں بیچ میں خدا کو
اوّل کہیو سلام میرا — پھر دیجیو یہ پیام میرا
قسمت میں یہی تھا اپنے لکھا — فرقت میں تمھاری آئی برکھا
آتا ہے تمھارا دھیان جس دم — مرغابیاں تیرتی ہیں باہم
ہم تم یونہیں صبح و شام اکثر — تالاب میں تیرتے تھے جاکر

جلد اوّل

جب سبزہ و گل ہیں لہلہاتے — اُلفت کے مزے ہیں یاد آتے
ہم تم یونہیں ہاتھ میں دیئے ہات — پھرتے تھے ہوائیں کھاتے دن رات
جب پیڑ سے آم ہے ٹپکتا — ہیں تم کو ادھر اُدھر ہوں تکتا
رُت آم کی آئے اور نہ ہو یار — جی اپنا ہے ایسی رُت سے بیزار
ہے سرد ہوا بدن کو لگتی — پر دل میں ہے آگ سی سلگتی"
نشتر کی طرح تھی دل میں چبھتی — فریاد یہ دردناک اس کی
تھا سوز میں کچھ بھرا ہوا ساز — پکڑا گیا دل سُن اس کی آواز
حیرت رہی دیر تک کہ آخر — رو رہا ہے کہاں کا یہ مُسافر

پر غور سے اک نظر جو ڈالی
نکلا وہ ہمارا دوست حالی

حالی

۸۲- برسات کے عیش و رنج

جس گلبدن کے تن میں پوشاک سوسنی ہے — سو وہ پری تو خاصی کالی گھٹا بنی ہے
اور جس پہ سُرخ جوڑا یا اودی اوڑھنی ہے — اس پر تو سب گھلاوٹ برسات کی چھنی ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی	گلنار یا گلابی یا زرد و سرخ دھانی
کچھ حسن کی چڑھائی اور کچھ نئی جوانی	جھولوں میں جھولتی ہیں اوپر پڑے ہے پانی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی تو جھولتی ہے جھولے کی ڈور چھوڑے	یا ساتھنوں میں اپنی پاؤں سے پاؤں جوڑے
بادل کھڑے ہیں سر پر برسے ہیں تھوڑے تھوڑے	بوندوں سے بھیگتے ہیں لال اور گلابی جوڑے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گاتی ہے گیت کوئی جھولے پہ کرکے پھیرا	ماروجی آج کیجے یاں رین کا بسیرا
ہے خوش کوئی کسی کو ہے رنج و غم نے گھیرا	منہ زرد بال بکھرے اور آنکھوں میں اندھیرا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کی سیج سونی اور خالی چارپائی	رو رو انھوں نے ہر دم یہ بات ہے سنائی
پردیسی نے ہماری اب کے بھی سدھ بھلائی	اب کے بھی چھاؤنی جا پردیس میں ہے چھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جب کوئل اپنی اُن کو آواز ہے سناتی	سنتے ہی غم کے مارے چھاتی ہے اُمڈی آتی
پی پی کی دھن کو سن کر بیکل ہے کہتی جاتی	مت بول اے پپیہے پھٹتی ہے میری چھاتی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے اپنی غم سے سب ہی یہ گیت بنائی ۔۔۔ میلے کچیلے کپڑے آنکھیں ہیں ڈبڈبائی
جلا دیا ہے گھر میں جھولا ڈالے اوڑھنی رنگائی ۔۔۔ پھوٹا پڑا ہے چولھا ٹوٹی پڑی کڑھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

نظیر

۴۸ برسات کی اُمنگ

گھر کے آخر آج برسی ہے گھٹا برسات کی ۔۔۔ میکدوں میں کب سے ہوتی تھی دعا برسات کی
موجبِ سوز و سرور و باعثِ عیش و نشاط ۔۔۔ تازگی بخشِ دل و جاں ہے ہوا برسات کی
شام سرما دلرُبا تھی ۔ صبحِ گرما خوش نما ۔۔۔ دلرُبا تر خوش نما تر ہے فضا برسات کی
گرمی و سردی کے مٹ جاتے ہیں جس سے سب مرض ۔۔۔ لال لال اک ایسی نکلی ہے دوا برسات کی
سُرخ پوشش پہ ہری زرد و سبز بوٹوں کی بہار ۔۔۔ کیوں نہ ہوں رنگینیاں تجھ پہ فدا برسات کی
دیکھنے والے ہوئے جاتے ہیں پامالِ ہوس ۔۔۔ دیکھکر چھب تیری اے رنگیں ادا برسات کی

لازم و ملزوم ہیں ابرِ تر و دامانِ تر
در خورِ رحمت ہے حسرت یہ خطا برسات کی

حسرت

جلد اول

۴۸۔ خشک سالی

نہ آئی پر نہ آئی پر نہ آئی
گھٹا نے بول دی بالکل صفائی

اگر آئی تو کی لے دے ہوا نے
سواری اور جانب کو بڑھائی

گئے دریا اتر تالاب سوکھے
لگائی ابر دریا دل لگائی

نہ صحرا میں دل آویزی کا انداز
نہ بستاں میں ادائے دل کشائی

نہ صحنِ باغ میں طوطی کا نغمہ
نہ شاخِ گل پہ بلبل چہچہائی

زمیں چٹیل ہے کورا آسماں ہے
ہوئی اب کی برس اچھی صفائی

نہ ڈالے پڑ گئے ساون نہ جھولے
ہوئی ہے ترک باہم آشنائی

نہ تانا شامیانہ ابر تو نے
نہ اب کے رعد نے نوبت بجائی

نہ وہ جگنو نہ وہ راتیں اندھیری
نہ وہ کالی گھٹا گھنگور چھائی

نہ پرنالے چلے اب کے دھڑا دھڑ
نہ گزری کی سڑک رو نے بہائی

نہ وہ سن سن نہ وہ جھونکے ہوا کے
نہ بجلی نے چمک اپنی دکھائی

نہ وہ برسات کے کیڑے پتنگے
نہ مینڈک نے زمیں سر پہ اٹھائی

کہاں بادل کہاں بجلی کہاں مینہ
پریشانی سی ہے دنیا پہ چھائی

نہ لے بھادوں بھرن برسائی تو نے — نہ لے ساون جھڑی تو نے لگائی
نہ موروں نے کیا کچھ شور برپا — نہ کوئل ہی نے دھوم اب کے مچائی
نہ رنگا رنگ بادل آسماں پر — نہ چھت پر گھاس نے دیوار پر کائی
نہ کیچڑ ہے نہ پانی ہے نہ سبزہ — نہ مینہ برسا نہ کھیتی لہلہائی
ترستے ہیں برستا ہی نہیں مینہ — سسکتی ہے پڑی ساری خدائی
ہوئی برباد کھیتی تھک گئے بیل — گئی گزری کسانوں کی کمائی
نہیں بیچارے حیوانوں کو چارہ — ہے انسانوں کو فکرِ بے نوائی
بہت مزدور بیٹھے ہیں نکمے — نہیں اب کوئی حیلہ جز گدائی

خدایا رحم کر جاں لب پہ آئی
تری مخلوق دیتی ہے دہائی

اسمٰعیل

۵۸ - اوائلِ سرما

نظر آتے ہیں جتنے تالاب خام — وہ اوڑھے ہیں کہنبی کی چادر تمام
شجر نہیں یہ بھی کیسرا اگر — سنگھاڑوں کے پتوں سے ڈھانکے ہیں سر

وہ پانی پہ کائی بھی جمنے لگی — وہ کچھ دھار دریا کی تھمنے لگی
وہ ندّی کا زوروں پہ بہنا نہیں — وہ پانی بھی جھیلوں کا میلا نہیں
کلنگ اور سُرخاب باندھے قطار — گرے آکے جھیلوں پہ وہ بے شمار
کنارے کنارے وہ بگلوں کی صف — حواصل ممولے بطیں ہر طرف
برابر جو بیٹھے صفیں باندھ کر — کھچیں جدولیں صفحۂ آب پر

پئے سیر اب لوگ جانے لگے
شکاری بھی جھیلوں پہ آنے لگے

بے نظیر

۸۶ - شدتِ سرما

سردی اب کے برس ہے اتنی شدید — صبح نکلے ہے کانپتا خورشید
جتنا عالم تھا کاشمیر ہوا — بلکہ کہیے کہ زمہریر ہوا
ان دنوں چرخ پر نہیں ہے مہر — گود میں کانگڑی رکھے ہے سپہر
گھر بیٹھنے کو کہتے ہیں سب یار — ٹھنڈے ہی جہاں کے دل میں غبار
نیک ٹک کیا جو غور کرتے ہیں آپ — نکلے ہے منہ سے آسماں کے بھاپ

ہے یہ پوشش زمیں کو پاؤں سے جھاڑ / پا بدامن ہیں جس قدر ہیں پہاڑ
جلد اول پانی پر جس جگہ کہ کائی ہے / سبزہ وہ شال کی رضائی ہے
بس کہ یخ بستہ بحر میں ہے آب / برف کی ہے رکابی ہر گرداب
عکس پانی میں یوں ہے شکل پذیر / رہتی ہے زیر شیشہ جوں تصویر
نہیں بہتے نہر باغ میں اس دم / بچۂ بط بھی یخ بچہ سے کم
تیغ سے کاٹتا ہے آب وہ چند / آب میں اس قدر ہوئی ہے گزند
اکڑے جاتے ہیں دیکھ سنبل کو / گٹھری ہو جائے گل کے غنچہ میں بو
دیکھ گل پر صبا نصیبِ برد / پھرتی پھرتی ہے ہر طرف دم سرد
گر پڑے برگ تاک سڑ کے تمام / بلبلیں مر رہیں اکڑ کے تمام
صرصر صبح جان کھوتی ہے / تیر سی دل کے پار ہوتی ہے
باد سے برگ کھڑکے ہیں اس بھانت / کہے تو باجتے ہیں دانت سے دانت
جس طرف اب نگاہ جاوے ہے / جو ہے جوں بید تھرتھراوے ہے
کانپتے ہیں درخت و ارض و جبال / تو نسیم ہے یارو یا بھونچال
آگ بھی ٹھنڈ سے ٹھٹرتی ہے / گودوں کے بیچ چھپتی پھرتی ہے
بے حرارت ہیں سردی کے مارے / طرح یاقوت کی اب انگارے

ہے یہ آفت چراغ تک در پے — لو گویا کہربائے شمع سے ہے

جاڑا لگنے کا یخ تلک ہے حرف — لپٹی رہتی ہے نمدوں ہی میں برف

دیں ہیں برباد ٹھنڈ سے یک دست — جو کوئی ہے سو آفتاب پرست

دن کی کشتی ہے دھوپ میں اوقات — کاٹے کمبل میں رات کاٹے ہی رات

رعد سردی کے ہاتھ گرم فروش — ابر دوش ہوا پہ بالا پوش

برف پڑتی نہیں فلک نداف — پھینکے ہی واسطے زمیں کے لحاف

شب جو رخشندگی پہ برق آئے — ابر میں یوں ٹھٹھر کے رہ جائے

گر کسی شخص کو مرض ہے اب — تو وہ جاڑے ہی سے کرے کرتب

فرط سرما سے دیکھیے جس کو — دست زیر بغل ہے مثل سبو

منعموں کے گھروں میں آج اور کل — ہیں پڑے پردے دگلے ہے منقل

پہنتے ہیں سمور اور قاقم — ٹھنڈ سے کھنچتے بہم سو دم

اس پہ جاڑے سے ہی یہ ان کا حال — ناک سے چھوٹتا نہیں رومال

جھینکن جاڑے کا جو چھینکیں ہیں — اک سخن ہے تو لاکھ چھینکیں ہیں

کوئی اب جا سے ہل نہیں سکتا — گھر سے باہر نکل نہیں سکتا

پھر جو کوئی ندان نکلے ہے — ٹھنڈ کے مارے جان نکلے ہے

لپٹے رہتے ہیں روئی میں چھوٹو — جس طرح ناشپاتی و انگور

اہلِ حرفہ کو کیجیے جو نگاہ — کاروبار اُن کا ہو گیا ہے تباہ

پیٹ کر سر کہے ہے بھٹیارا — ہائے اب کیا کروں میں بیچارا

سقا بولے ہے بھر کے آنکھوں میں اشک — یارو پانی نکالو چیر کے مشک

آہ قنادہ بھر کے یوں بولے — بنی تھی قند ہو گئے اولے

دیکھو حلوائی کو جو بیٹھے کہیں — پڑی چھٹ کچھ دکان میں اُس کے خمیر

لگے ہی اب جو مرنے بیچارا — یہی کہتا ہے ٹھنڈ نے مارا

غرض ایسی ہی کچھ پڑی ہے ٹھنڈ — مٹ گیا زمہریر کا بھی گھمنڈ

سودا اختصر ہی سردی کا مذکور — شعر بھی گر خنک ہوں رکھ معذور

آگے جاتا نہیں ہے اب بولا
ہو گئی ہے زبان بھی اولا

سودا

جلد اول

شب سرما

اے زمستاں کہوں کس طرح تری رات کا لطف
تری شبہائے دراز اور وہ ہر بات کا لطف

ہے کوئی چھینٹ کا اوڑھے ہوئے فرغل بیٹھا
پر پھلائے ہوئے جیسے کوئی بلبل بیٹھا

اوڑھ بیٹھا کوئی سردی سے لحاف اپنا ہے
کوئی کر بیٹھا بچھونے کو غلاف اپنا ہے

کچھ لحافوں سے ابھی منہ کو نکالے ہیں پڑے
لیکن انگیٹھی کو پہلو میں سنبھالے ہیں پڑے

مارے سردی کے جگر سینوں میں تھراتے ہیں
بچے ماں باپ کی بغلوں میں گھسے جاتے ہیں

کہیں شو شو کہیں سی سی ہے کہیں سیٹی ہے
گرد سب بیٹھے ہیں اور بیچ میں انگیٹھی ہے

بزمِ احباب کی صحبت کا مزا ہے تجھ سے
سازِ عشرت کے لیے برگ و نوا ہے تجھ سے

جلد اوّل

شبِ سرما ہی میں ہے گانے بجانے کا مزا
پان کھانے کا گلوری کے چبانے کا مزا

یار حقّہ کے ترے دور میں ملتے ہیں مزے
دودِ تلخ اس کے سوا دودی دیتے ہیں مزے

ہے جواں لیتا اسی شب میں جوانی کا مزا
اور جو بڈھا ہے تو لیتا ہے کہانی کا مزا

صوفی و رند کے جلسے کا تو ہی ساقی ہے
مایۂ عیش و طرب دم سے ترے باقی ہے

ہر طرف بھنگ کی پیالی پہ پیالی اُڑتی
مے نہ ہووے تو ہے تصویر خیالی اُڑتی

بے نشے مست پڑے شکر خدا کرتے ہیں
چائیں پی پی کے ترے سر کو دعا کرتے ہیں

جلد اول

بس کر اے دل کہ نہیں لکھنے کی طاقت باقی
مارے سردی کے نہیں ہاتھ میں حالت باقی

میرے اللہ تو ہی اب ہے بچانے والا
تیرے آزاد کو پالے سے پڑا ہے پالا

آرزو کچھ نہیں دنیا کی رہی ہے دل میں
اب تمنا جو ہے باقی تو یہی ہے دل میں

طپش عشق سے دل میرا رہے نرم سدا
گرمیِ شعر و سخن سینہ رکھے گرم سدا

آزاد

۸۸۔ موسمِ سرما

چلی زور سے کیا ہوا رات کو — قیامت کا پالا پڑا رات کو
رضائی میں چھپ کر جو لیٹے ہیں آج — گلوبند سر سے لپیٹے ہیں آج
تھا جن جن کو نازک مزاجی پہ لاف — ہیں لادے ہوئے وہ بھی بھاری لحاف
گری برف ٹھیری جو ٹھنڈی ہوا — رگوں میں لہو اب تو جمنے لگا

جاڑوں

دمِ صبح ہے زور سردی کا اوج | جدھر دیکھو ہے چائے قہوہ کا روج
دوشالے دکھاتے ہیں کیا کیا بہار | کوئی شال اوڑھے کوئی جامہ وار
عمامے کا چلتا نہیں زور و پیچ | ہے سردی کے آگے دلائی بھی ہیچ
وہ گل جن کو ڈھاکے کی ململ تھی بار | نہیں آج کمبل سے بھی اُن کو عار
قبا بھی گراں جن پہ تنزیب کی | پہنتے ہیں اب کوٹ اچکن روئی
جو کہتے تھے اپنے کو آتش مزاج | چڑھائے ہیں دستانے ہاتھوں پہ آج
کہیں کمرے میں تاپتے ہیں حسیں | کوئی ہاتھ ہی سینکتا ہے کہیں
وہ رنگین کپڑے چمکتے ہوئے | انگیٹھی میں کوئلے دہکتے ہوئے
نہیں بھاتی مطلق درختوں کی چھاؤں | ہوئیں ٹھٹھرتے ہیں اب ہاتھ پاؤں
نہیں چھینٹ سے خالی کوئی دوکان | اُٹھتے ہیں بانات چھلوں کے تھان
نزاکت بھری لکھنؤ کی وہ فرد | کہیں سرخ و سبز اور کہیں زرد و زرد
غرض سب کے لب پہ ہے سردی کا ذکر | بفضلِ حق سے یہاں کیا ہے فکر
فقیر اپنے کمبل میں بیٹھا ہے مست | پیالے چڑھاتا ہے جامِ الست
ردائے نگاریں ہے لطفِ عجیب | رزائی کی جا ہے رضائے حبیب
جو مجمر ہے سینہ تو دم شعلہ بار | ہیں انگارے سے داغِ غمِ عشق یار

جاڑ دل

لگائے تھے سوزِ دل کا الاؤ — ٹھٹھر اپنی مونچھوں کو دیتا ہی تاؤ
قریب آ تو پہنچے کے پنچھی مگر — ابھی تک نہیں آتا سورج نظر

یہ معلوم ہوتا ہے ہے وقتِ شام
قیامت کا چھایا ہے گھر اتمام

— بے نظیر

۸۹۔ جاڑے کی بارش

چھپا سورج گھٹا آئی فلک پر — بڑھی سردی ہوا چلتی ہی صرصر
لو اب بوندیں بھی کچھ پڑنے لگی ہیں — بھاوٹ کا مزا دکھلا رہی ہیں
گھٹا میں کچھ ہے بجلی کی چمک بھی — گرج بھی آسماں پر ہے کڑک بھی
لگے پڑنے پٹاپٹ خوب اولے — کوئی سردی میں کیونکر ہاتھ کھولے
پڑا ہر ایک کو جاڑے سے پالا — ہوا ہے کار کمبل اور دوشالا
بدن پر لاد رکھا ہے اور کوٹ — بچے ہیں اس میں ہم سردی کی اک چوٹ
نہیں کچھ کام دیتی ہے رضائی — بہت پیروں تلے ہم نے دبائی
ہوئے سردی سے دونوں ہاتھ گٹھڑی — کوئی چیز اب نہیں جاتی ہے پکڑی

جلد اول

ہوا ہے تھامنا مشکل قلم بھی — نہیں ہے انگلیوں میں اتنا دم بھی
شکایت ہے بہت سردی کی گھر گھر — سب انسان کانپتے پھرتے ہیں تھر تھر

مزے لگتے ہیں بادل آسماں پر
گھٹا سردی کی چھائی ہے جہاں پر

وجاہت

۹۰۔ کُہرا

برس مینہ دو دن میں کھل بھی گیا — ولیکن ہے کہرا لطیفہ نیا
کہ اندھیر تھا جیسے ظاہر ہو دود — ہوئے ہونٹھ سردی سے سب کے کبود
دل اُس دودِ تیرہ سے گھبرا گیا — کہیں آگ دیکھی تو جی آ گیا
یہی چال تھی ایک دو چار کوس — ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی پڑی ایسی اوس
تراکم قیامت تھا اشجار کا — ستم پھر ہوا ہے ستمگار کا
کہ اس مرتبہ بارد و سرد تھی — ہوئے سُن مگر برف پرورد تھی
بلا دھوم سے کوئی گھبرا پڑے — جنہیں دیکھو ڈرے کانپتے ہیں کھڑے

ہوا سرد ہو کر گئی جان مار
اُٹھایا بڑا لطفِ سیر و شکار

میر

۹۱ - کہر

دفعتہً پیرِ سحر سانس ہی ایسا بھرتا ۔۔۔ یا زمانہ پہ وہ کچھ سحر ہی ایسا کرتا
کہ جہاں آنکھوں میں ہو جاتا ہے یکبار سفید ۔۔۔ دشتِ کُہسار سے لے تا در و دیوار سفید
ابر کی طرح بخارات کا گھر کر آتا ۔۔۔ برف کے پردہ میں وہ رُوئی دُھنکتے جاتا
ہلکے ہلکے کبھی مکڑی کے ہیں جالے اُڑتے
اور ہوا میں کبھی روئی کے ہیں گالے اُڑتے

آزاد

۹۲ - دوپہر سرما

قریب آتی جاتی ہے اب دوپہر ۔۔۔ پگھلنے لگی برف کہسار پر
صدا اب بستیوں سے نکلنے لگی ۔۔۔ ہوا بھی ذرا تیز چلنے لگی

قریب آ گئی وہ درختوں کی چھاؤں
ہوئے خوب قابو میں اب ہاتھ پاؤں

چرائی سے پھرنے لگے جانور
وہ پانی پہ گرنے لگے جانور

وہ ہر سمت بجلی دکھانے لگی
نظر پانی پر تلملانے لگی

بہت صاف ہے گو سپہرِ کہن
وہ منڈلا رہی ہیں مگر کچھ زغن

درختوں پہ بیٹھے ہیں کچھ دور دور
وہ اڑتے ہیں تالوں پہ بھی کچھ طیور

ہرن اور چیتل نکلنے لگے
وہ پی پی کے پانی اچھلنے لگے

ہوئے آبِ شیریں سے جو بہرہ ور
تو کیا کیا کلیلوں پہ ہیں جانور

— بے نظیر

۹۳- سہ پہرما

ڈھلاؤں سنہری ہوئی سطحِ آب
پہاڑوں میں چھپنے لگا آفتاب

دکھاتے ہیں چوٹی وہ زریں کھجور
گیا بھاگ کر سایہ تاڑوں کا دور

شعاعوں کے ٹیلوں پہ ہیں کچھ نشاں
چلے گاؤں کو گلّے لے کر شباں

وہ مزدور سڑکوں سے آنے لگے
سرا کو مسافر بھی جانے لگے

کھنچا سرخ پردہ وہ افلاک پر | نہیں آفتاب زرد سورج نظر
وہ جو لکّے ابر ہیں دور تک | ہے ان میں بھی یاقوت کی سی چمک
شفق پھول کر یہ ہوئی خوں فشاں | بنا عرصۂ قتل گہ آسماں
ہوا ہر طرف اک سکوت آشکار | ہوا کم ہوئی ٹھیری دریا کی دھار
جو تھوڑی سی آتی تھی بدلی نظر | وہ سونے کا پتّر بنی سر بسر
ہوا جھٹ پٹا وقت۔ بدلا سماں | لگا کھولنے جعدِ شب آسماں
نہیں بدلیوں میں بھی اب وہ چمک | بنا گنبدِ سنگِ موسے فلک
فلک روشنی دن کی کھونے لگا | اندھیرا سا باغوں میں ہونے لگا

درخت اپنے چہرے چھپانے لگے
بخارات دریا پہ چھانے لگے

بے نظیر

۹۴-جاڑے کی بہار

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
پالا بھی برف پگھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلّا خم ٹھونک اچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو اور دل سے ہوتی ہو کشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑہ ہو بجتی ہو سب کی بتیسی
ہو شور پھپو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی کی
کلّا پر کلّہ لگ لگ کر چلتی ہو منہ میں چکی سی
ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
ہر ایک مکاں میں سردی نے آ باندھ دیا ہو یہ چکّر
جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو ہر آن کڑا کڑ اور تھر تھر
بیٹھی ہو سردی رگ رگ میں اور برف پگھلتا ہو پتھر
جھڑ باندھ مہاوٹ پڑتی ہو اور تس پر لہریں لے لے کر
سنّاٹا باؤ کا چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
ہر چار طرف سے سردی ہو اور صحن کھلا ہو کوٹھے کا
اور تن میں نیمہ شبنم کا ہو جس میں خس کا عطر لگا

چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے اک فراش کھڑا
فراش بھی پنکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

نظیر

۹۵۔ فصل سرما

ڈھکیں چوٹیاں برف سے سربسر
کہ چاندی چڑھائی ہے کہسار پر

کھلے پھول گیندے کے وہ زرد زرد
چلی آتی ہے کیا ہوا سرد سرد

وہ گل مہندی پھولی کھلے گلفرنگ
چمکتا ہوا وہ ہزارے کا رنگ

وہ نیلم کے ساغر لیے کاسنی
وہ سورج کی ہم شکل سورج مکھی

وہ گوبھی کے پتے اکڑنے لگے
بتاشے بھی دو چار پڑنے لگے

اناروں میں کلیاں بھی لوآ گئیں
وہ کیلوں کی پھلیاں بھی گدرا گئیں

بہی سیب امرود پکنے لگے
وہ شاخوں میں گولے چمکنے لگے

وہ پک کر شریفے بھی سب کھل گئے
ٹپک پڑتے ہیں جو ذرا ہل گئے

لدی ہیں درختوں میں نارنگیاں
پھٹی پڑتی ہیں بوجھ سے ڈالیاں

جلد اول

ہزارے لٹکتے ہیں کیا لال لال | جڑے ہیں زمرد کے جھاڑوں میں لال
غضب عشق پیچاں کا شاخوں سے میل | وہ نازک وہ باریک پتی کی بیل
تراشے ہیں قدرت نے کیا بے مثال | کرن پھول یاقوت کے لال لال
وہ کچھ پھول سرسوں میں آنے لگے | ذرا کھیت جوبن دکھانے لگے
کہیں چھوٹے چھوٹے وہ جیری کے پھول | کہیں اودے اودے وہ السی کے پھول
نظر آتی ہے صنع رب انام | زمرد کی چھڑیوں پہ نیلم کی شام

ہوا جب اڑاتی ہے جنگل کی ریت
تو کیا لہلہاتے ہیں گیہوں کے کھیت

بے نظیر

۹۶ - موسم خزاں

آ زمستاں کہ ہی تو بادشہ برفانی | شاہ برفانی و شاہنشہ برفستانی
باد صرصر ہے نشاں تیرا اڑاتی آتی | فوج اقبال کو رستہ ہے بتاتی آتی
جس طرف تیرے پھریرے کا ہی جھوکا جاتا | مارے ہیبت کے ہی دل سینوں میں تھم جاتا
باغ پر جب ہے ترے قہر کا جھوکا آتا | ڈر کے ہر برگ ہے پیوند زمیں ہوجاتا

تیرے سناٹے سے ہوتی ہے فنا جانِ نبات
خوف کے مارے دہل جاتے ہیں طفلانِ نبات

تھرتھراتے ہیں کھڑے سارے جوانانِ چمن
منھ چھپاتے ہیں گل و سنبل و ریحانِ چمن

ہیں شجر سر پہ کھڑے خاک اڑاتے سارے
گل و گلزار نہیں ویراں نظر آتے سارے

نغمہ سنجانِ چمن پر ہیں پھلائے بیٹھے
اور پر و بال ہیں ہیں منھ کو چھپائے بیٹھے

باغباں کا جو گلستاں میں گزر ہوتا ہے
لب حیرت سے یہی کہتا ہے اور روتا ہے

یاالٰہی وہ جوانانِ چمن ہو گئے کیا
باغ سنسان ہے مرغانِ چمن ہو گئے کیا

رازِ غم کس سے کھلے باغ میں بلبل بھی نہیں
کان میں پوچھیے کس سے کہ رہا گل بھی نہیں

نہ تو غنچہ کوئی باقی ہے کہ جو منھ کھولے
نہ ہے گلزار میں سوسن جو زباں سے بولے

کہ درختانِ چمن باغ میں عریاں کیوں ہیں
ہاتھ پھیلائے کھڑے ششدر و حیراں کیوں ہیں

آزاد

۹۷- آفتِ خزاں

ہیں باغ جتنے یاں کے سو ایسے پڑے ہیں خوار
کانٹے کا ان میں نام نہیں پھول درکنار

سوکھے ہوئے کھڑے ہیں درختانِ میوہ دار
کیاری میں خاک دھول روش پر اُڑے غبار
ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہی بہار بند
دیکھے کوئی چمن تو پڑا ہے اُجاڑ سا
غنچہ نہ پھل نہ پھول نہ سبزا ہرا بھرا
آواز قمریوں کی نہ بلبل کی ہے صدا
نہ حوض میں ہے آب نہ پانی ہے نہر کا
چادر پڑی ہے خشک تو ہی آبشار بند

نظیر اکبرآبادی

۹۸۔ آمدِ بہار

پھر اس انداز سے بہار آئی
ہو گئے مہر و مہ تماشائی
دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک
اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر
روکشِ سطحِ چرخِ مینائی
سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا روئے آب پر کائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے چشمِ نرگس کو دی ہی بینائی
ہی ہوا میں شراب کی تاثیر بادہ نوشی ہے بادپیمائی
کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالبؔ
شاہِ دیندار نے شفا پائی

جلد اول

غالبؔ

۹۹-آمدِ بہار

ہوا چاروں طرف اقصائے عالم میں پکار آئی
بہار آئی بہار آئی بہار آئی بہار آئی
بہار آئی دکھائی قادرِ مطلق کی شان اس نے
زمیں کی تہ میں جو مُردے تھے ڈالی ان میں جان اس نے
بہار آئی ہے نیچر اپنی نقاشی دکھاتا ہے
بہت رنگین نقشے سامنے آنکھوں کے لاتا ہے
جہاں سے مٹ گیا برگِ خزاں کا بد نما سکہ
بہار اب ڈھالتی ہے اشرفی کے پھول کا سکہ

ہوائے صبح اس کے ساتھ پنکھا جھلتی آتی ہے
جلد کھل ہنسی پڑتی ہیں کلیاں جب یہ اُن کو مُنہ لگاتی ہے

پہاڑوں سے بہایا اس نے برفِ صاف پگھلا کر
رواں ہو کر وہی پانی سمندر میں ملا جا کر

شمیم باغ نے سیکھا چلن اترا کے چلنے کا
زمانہ آگیا پردہ سے سبزے کے نکلنے کا

دُلھن کی شکل ہر گُل نے لباسِ سُرخ پہنا ہے
شجر کے جسم پر کیا خوشنما پھولوں کا گہنا ہے

ہوا مشاطگی پر نیرِ اعظم جو آمادہ
سنوارا مختلف رنگوں سے دنیا کا رخِ سادہ

تعجب کیا جو ہیبت سے خزاں کے رُخ پہ زردی ہے
کہ وہ فوج اس پہ غالب آئی جس کی سرخ وردی ہے

نکل آئے حجابِ ارض سے گُل پیرہن لاکھوں
کہیں ہیں سرو قد لاکھوں کہیں غنچہ دہن لاکھوں

پلاتی ہے شجر کو اوس اپنا دودھ لا لا کر
محبت سے ہوا منہ چومتی ہے بار بار آ کر

جڑیں اندر ہی اندر پھیل کر قوت پکڑتی ہیں
زمیں ان کو جکڑتی ہے زمیں کو وہ جکڑتی ہیں

چمن اور دشت میں ہے ہر طرف انبار پھولوں کا
جدھر دیکھو زمیں پہنے ہوئے ہے ہار پھولوں کا

عیاں سبزہ پہ اُلفت کی ادائیں کی ہیں سورج نے
بڑھا کر ہاتھ کرنوں کے بلائیں لی ہیں سورج نے

ہیں روشن چاندنی کے پھول یا تارے چمکتے ہیں
کھلے ہیں پھول لالے کے کہ انگارے دہکتے ہیں

ہزاروں رنگ کی چڑیاں ہیں شکلیں خوشنما جن کی
ادائیں دل ربا جن کی صدائیں نغمہ زا جن کی

بہار آنے سے خوش ہیں ہر طرف اتراتی پھرتی ہیں
ہوا تو ناچتی پھرتی ہے چڑیاں گاتی پھرتی ہیں

دیا ہے تتلیوں کو رزق کا ساماں پھولوں نے
کیا بھوروں کو جوشِ فیض سے مہماں پھولوں نے
جلد ہو ول

ہوا ہی نے کھلائے گل ہوا ہی پھر گراتی ہے
زمیں جس نے کیا پیدا وہی پھر اُن کو کھاتی ہے

غرض اے شوق اترانا عبث ہے حُسنِ فانی پر
گھمنڈ انساں کو نازیبا ہے دو دن کی جوانی پر

شوق قدوائی

۱۰۰۔ آمدِ بہار

غنچے نے تاجِ گل سے کیا پیرہن درست
شادی بہار کی ہے ہوا ہے چمن درست

پیغام رستخیز ہے آمد بہار کی
مر کر ہوئی ہے نرگس بیمار تندرست

گل جلوہ گر ہیں آمدِ فصلِ بہار ہے
کر باغباں نشیب و فراز چمن درست

نسیم

۱۰۱- عروس بہار

جلد اول

پھولوں کا گہنا پھولوں کا مالا   پھولوں کا سہرا پھولوں کا بالا
پھولوں کا چاند اور پھولوں کا ہالا   سچ مچ گلاب اور سچ مچ کا لالا

آہا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

پھولوں کے بادل پھولوں کی جھڑیاں   پھولوں کی انبار پھولوں کی دھڑیاں
پھولوں کے گھنٹے پھولوں کی گھڑیاں   پھولوں کی گیند اور پھولوں کی چھڑیاں

آہا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

پھولوں کے غنچے پھولوں کی کلیاں   پھولوں کے کنج اور پھولوں کی گلیاں
شاخوں کے جھولے وہ رنگ رلیاں   پھولوں کی پریاں برفی کی ڈلیاں

آہا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

پھولوں کی ڈالی ڈالی ہے خرمن   پھولوں کا بوٹا بوٹا ہے گلشن

پھولوں کے کوشک پھولوں کے مخزن پھولوں کی نشیمن پھولوں سے روشن

آہا عروسِ فصلِ بہاری

آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

پھولوں کے قصر اور پھولوں کے میدان پھولوں کے طاق اور پھولوں کے ایوان

پھولوں کے دربار پھولوں کے دربان پھولوں کے سائے اور پھولوں کے سامان

آہا عروسِ فصلِ بہاری

آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

مہابن پہ آیا جوانی کا جوبن پربت کا مالی ٹیلے کی مالن

پھولوں کی بدھی پھولوں کا جوشن پھولوں کی چولی پھولوں کا دامن

آہا عروسِ فصلِ بہاری

آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

پھولوں کی سج دھج پھولوں کی جھل بل پھولوں کی دھومیں پھولوں کی ہل چل

پھولوں کے میلے پھولوں کے دنگل پھولوں کے جنگل جنگل میں منگل

آہا عروسِ فصلِ بہاری

آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

شیخ و برہمن دانا و جاہل   عاشق محزوں شاعر بیدل
جنگل کی چڑیاں باغوں کے کوئل   آتے ہیں مل جل گاتے ہیں مل مل

جلد اول

آہا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہ گل کی سواری

صادق

۱۰۲۔ جلوسِ بہار

بگھیاں پھولوں کی تیار کرائے ہے سمن   کہ ہوا کھانے کو نکلیں گے جوانانِ چمن
عالمِ اطفالِ نباتات پہ ہو گا کچھ اور   گورے کالے سبھی بیٹھیں گے نئے کپڑے پہن
کوئی شبنم سی چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر   کرسیِ ناز پہ جلوہ کی دکھاوے گا پھبن
اپنے گیلاس شگوفے بھی کریں گے حاضر   آکے جب غنچۂ گل کھولیں گے بوتل کے دہن
کھینچ کر تارِ رگِ ابرِ بہاری سے کئی   خود نسیمِ سحر آوے گی بجاتی ارگن
پتے مل کے بجاویں گے فرنگی طنبور   لالہ لاوے گا سلامی کو بنا کر پلٹن
اپنی سنگینیں چمکتی ہوئی دکھلاویں گے   آپڑے گی جو کہیں نہر پہ سورج کی کرن
نے نواری کے پیئے کھول کر اپنی منقار   آکے دکھلاوے گی بلبل بھی جو ہے اُس کا فن

آئے گا نذر کو شیشہ کی گھڑی لے کے حباب ‖ یاسمن پتوں کی پینس میں چلے گی بن ٹھن
جلد لے بہجت آوے گی نکل کھول کلی کا کمرہ ‖ ساتھ ہولیگی نزاکت بھی جو ہے اس کی بہن

حوضِ صندوق فرنگی سے مشابہ ہونگے
اس میں ہوویں گے پریزاد بھی سب عکس فگن

انشا

۱۰۳- صبحِ بہار

واہ کیا پُر فضا ہے صبحِ بہار ‖ واہ کیا دلفریب ہیں اشجار
ہر طرف ہیں شگفتہ لالہ و گُل ‖ ہے چمن پر غضب کا آج نکھار
شاخِ گل پر ہے بلبلوں کا ہجوم ‖ کر رہی ہیں ستایشِ غفّار
کیا ہے پُر درد نالۂ قمری ‖ کیسے دلکش ہیں نغمہائے ہزار
کہیں طوطی کی پیاری پیاری صدا ‖ کہیں کوئل کا کوکنا ہر بار
کہیں وہ شور و غل پپیہوں کا ‖ کہیں وہ نالہ ہائے بلبلِ زار
کیا ہی دل کش ہے صبح کا عالم ‖ رشکِ جنّت ہے تختۂ گلزار
ہر طرف طائرانِ خوش الحان ‖ شادمانی کا گا رہے ہیں ملہار

جس طرف دیکھو پُر فضا ہے سماں | جس طرف دیکھو سبز ہیں اشجار
کہیں بیلا چمیلی جوہی ہے | کاسنی کیتکی کہیں ہیں چنار
کہیں شبّو، کہیں گلاب کے پھول | کہیں نسرین و نسترن کی بہار
کیسے سرسبز ہیں یہ برگ و شجر | کیسے شاداب ہیں گل و گلزار
نہ کہیں ہے خزاں کا نام و نشاں | باغ سیراب سبز ہیں اشجار
چل رہی ہے نسیمِ عنبر بیز | جس سے بشاش ہے دلِ بیمار

واہ کیا دلفریب منظر ہے
واہ کیا پُر فضا ہے صبحِ بہار

اوج گیاوی

۱۰۴۔ لطفِ بہار

اک روز گلستاں میں جو میرا گزر ہوا | لطفِ بہار و منظرِ بستاں تھا دلکشا
جادو بھرا تھا گل کا اِدھر حُسنِ جاں فزا | بلبل اِدھر ترانۂ اُلفت سے خوش نوا

سبزے کا فرش بادِ بہاری بچھا گئی
شبنم بھی موتیوں کا خزانہ لُٹا گئی

کلیاں تھیں اک ادائے تبسم دکھا رہی
تھیں مسکرا کے بجلیاں گویا گرا رہی

بادِ صبا اِنھیں تھی کبھی گُد گُدا رہی
مُنھ چُوم کر کبھی تھی گلے سے لگا رہی

شمشاد کے گلے کا کبھی ہار بن گئی
سنبل کے گیسوؤں کا کبھی تار بن گئی

شاخیں گلوں کی گاہ صبا تھی ہلا رہی
تھی گاہ طفل غنچہ کو جھولا جھُلا رہی

مستانہ چال سے تھی کبھی لڑکھڑا رہی
انداز لغزشوں کے کبھی تھی دکھا رہی

سوسن کی ہمزباں تھی کبھی ہمکنار تھی
نسرین و نسترن کی کبھی رازدار تھی

تھیں خندہائے گل میں عجب جاں نوازیاں
نالوں میں بلبلوں کے نہاں جاں گدازیاں

پیچے کے پیچ پیچ میں افسوں طرازیاں
نرگس کی چشم مست میں سو سحر سازیاں

کچھ کر رہی تھی غنچوں کو نرگس اشارتیں
آنکھوں سے تھیں ٹپک رہی اس کی شرارتیں

مُرغان بوستان بھی بے تاب سربسر
بیچین اُڑ رہے تھے چمن میں اِدھر اُدھر

گویا وہ ڈھونڈتے تھے کسی کو شجر شجر
قربان کر رہے تھے وہ دل شاخ شاخ پر

نرگس پہ نسترن پہ گُل و سبزہ زار پر
شمشاد پر صنوبر و سرو و چنار پر

دھانی لباس پہنے عروسِ بہار تھی
زیبِ گلو کیے ہوئے پھولوں کے ہار تھی
ہر برگِ گُل سے شانِ جمال آشکار تھی
جوبن کے اس بہار پہ جنّت نثار تھی
شہرت بہارِ حُسن کی تھی آسمان پر
تعریف اس کی مرغِ جناں کی زبان پر

مبارک

۱۰۵۔ کیفیتِ بہار

شادابی ہوا میں یہ کیفیت اب ہے
سو رنگ کے شگفتہ ہیں گُل شاخسار پر
اشجار جھومتے ہیں پڑے صحنِ باغ میں
تاک اینڈتے ہیں مست پڑے جوئبار پر
موجِ بہار لالۂ خود رو سے نے نسیم
کچھ آگ سی لگائی ہے آ کوہسار پر

انشا

جلد اول

۱۰۶- جوشِ بہار

بہار لالہ و گل سے لگی ہے آگ گلشن میں
گریباں چاک کر چل بیٹھیے صحرا کے دامن میں

جنوں کے جوش میں یکجا نہیں دم بھر قرار آتا
کبھی گلشن سے صحرا میں کبھی صحرا سے گلشن میں

آتش

۱۰۷- موسمِ بہار

سجدۂ شکر میں ہے شاخِ ثمردار ہر ایک
دیکھ کر باغِ جہاں میں کرمِ عزوجل

واسطے خلعتِ نوروز کے ہر باغ کے بیچ
آب جو قطع لگی کرنے روش پر مخمل

بخشتی ہے گلِ نورستہ کی رنگ آمیزی
پوشش چھینٹ قلمکار بہر دشت و جبل

عکسِ گلبن یہ زمیں پر ہے کہ جس کے آگے
کارِ نقاشیِ مانی ہے دوم وہ اوّل

سایۂ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر
ساغرِ لعل میں جوں کیجیے زمرد کو حل

بالائے آبِ رواں عکس ہجومِ گل سے
لوٹے ہے سبزہ پہ ازبس کہ ہوا ہے بے کل

آب جو گردِ چمن لمعۂ خورشید سے ہے
خطِ گلزار کے صفحے پہ طلائی جدول

چشمِ نرگس کی بصارت بہ زبس تھے درپے
غنچۂ لالہ نے سرمہ سے بھری ہے مکحل

لڑکھڑاتی ہوئی پھرتی ہے خیاباں میں نسیم
پاؤں رکھتی ہے صبا صحن میں گلشن کے سنبھل

سودا

۱۰۸۔ بہار

بہار آئی اِک دھوم سی مچ گئی — عروسِ چمن رنگ میں رچ گئی
صبا میں جو کچھ گدگداہٹ سی ہے — لبِ غنچہ پر مسکراہٹ سی ہے
ہوا میں یہ کیفِ مئے ناب ہے — چمن کا چمن مست و شاداب ہے
غضب بھینی بھینی گُلوں کی مہک — ستم ہلکی ہلکی ہوا کی سنک
جو گاتے ہیں مُرغانِ شیریں زباں
بجاتے ہیں برگِ شجر تالیاں

بے نظیر



جلداول

۱۰۹ - بہار

آئی ہی بہارِ مے گُساراں — پھولے ہیں چمن میں گل ہزاراں
آئی ہی بہارِ ہر خیاباں — ہی لطفِ ہوائے گل بداماں
آئی ہی بہارِ و مرغِ گلزار — کرتا ہے نوائے سینہ افگار
لایا ہے بزور اس کا نالہ — مجھکو بھی برائے سیرِ لالہ
اطراف چمن کھلا ہے لالہ — ہر پھول شراب کا ہی پیالہ
تحریک نسیم دمبدم ہے — تکلیف ہوائے گل ستم ہی
ہی سروِ جواں نشہ در سر — لوٹے ہی روش پہ سبزہ تر
ہر شاخ ہے شوخ جام در دست — نرگس ہے کسو کی نرگسِ مست
ابروں نے بھی کی ہی مے پرستی — اُٹھتے ہیں بصد سیاہ مستی

بوندوں کا جو لگ رہا ہے جھمکا
رنگِ گل و لالہ زور چمکا

ساقی ٹک ایک موسم گل کی طرف بھی دیکھ — ٹپکا پڑے ہی رنگ چمن میں ہوا سے آج

نکلی ہیں اب کے کلیاں اس رنگ سے چمن میں — سر جوڑ جوڑ جیسے مل بیٹھتے ہیں احباب

جلد اول

بہار آئی ہی غنچے گل کے نکلے ہیں گلابی سے — نہال سبز جھومیں ہیں گلستاں میں شرابی سے

چلتے ہو تو چمن کو چلیے سنتے ہیں کہ بہاراں ہی
پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم باد و باراں ہی

میر

۱۱۰ بہار

بہار آئی نکھرے نہال چمن — بدلنے لگے نخل رختِ کہن
وہ بوٹوں میں کلّے لگے پھوٹنے — عنادل کے چہکے لگے چھوٹنے
درختوں نے پہنا وہ دھانی لباس — لب نہر سبزہ زمرد اساس
نئی پتّیاں وہ چمکنے لگیں — وہ کھل کھل کے کلیاں مہکنے لگیں
ریاحین سرسبز تازہ بہار — وہ پھولی حنا ہر طرف عطر بار
وہ شاخوں میں کونپل نکلنے لگی — درختوں کی صورت بدلنے لگی
بنفشہ کہیں سنبل تر کہیں — کہیں سوسن و گل بہار آفریں

جلوۂ گل

گلستاں میں ہر سو شمیمِ بہار
اُڑی دوشِ بادِ سحر پر سوار

حسینانِ نازک ادا لالہ رو
روِش پر ٹہلتے ہیں ہم رنگِ بو

کھلے پھول بیلے کے وہ لاجواب
وہ پھولے ہزار وطرح کے گلاب

وہ پھولی چنبیلی کھلا مونگرا
کھلی چاندنی باغ میں جا بجا

چمن زیورِ گل سے زیبا نگار
وہ نوخاستہ نوعروسِ بہار

یہ فطرت کا ہی قدرتی انتظام
کھلے پھول لاکھوں طرح کے تمام

وہ پھولوں پہ اُڑتی ہوئی تتلیاں
دکھاتی ہیں قدرت کی صناعیاں

گریں پھولوں پہ شہد کی مکھیاں
وہ چھتوں سے جھکنے لگیں ٹہنیاں

بھری گود شاخوں کی اثمار سے
ٹپکنے لگا شہد اشجار سے

وہ گدرائے پھل رنگ لانے لگے
انار اپنا جوبن دکھانے لگے

وہ انگور وہ رس بھری لیچیاں
لٹکتی ہیں آموں میں وہ کیریاں

تر و تازہ سرسبز ہے ہر شجر
لدے ہیں درختوں میں فصلی ثمر

وہ صحرا کی دیکھے کوئی اب بہار
کہ پھولوں سے ہر شاخ ہے شعلہ زار

وہ پھولا ہوا ڈھاک بھی ہر طرف
لگائے ہے اک آگ سی ہر طرف

وہ سرخی میں سیمبل کے گل بیعدیل
دکھاتے ہیں لطفِ ریاضِ خلیل

وہ سرسے کے پھولوں کی بو تیز و تند   جسے سونگھتے ہی کھلے ذہن کُند
دکھاتے ہیں اس وقت کیا کیا پھبن   چمکتی ہو چاندی کی جیسے کرن
کدھر سے یہ آئی ہوا یا عجیب   گرے ہے کرونڈے کا جنگل قریب
عجب مست خوشبو ہے پھولوں کی واہ   ہوئی جاتی ہے دل کی حالت تباہ
بہت دُور وہ جھاڑیاں ہیں مگر   ہوا میں لپٹ آ رہی ہے ادھر
کرن پھول اکو ہرلیے بے شمار   دکھاتا ہے چاندی کے گھنگرو مدار
وہ سہجن کے وہ سرخ گھونگچی کے پھول   املتاس اور مال کنگنی کے پھول
وہ صحرا کا ہر نخل پھولا ہوا   غمِ بادِ صرصر کو بھولا ہوا
ہوا میں ہے نشو و نما کا اثر   ہیں مستی پہ وحش و طیور و بشر
نہیں ہوتا یہ زورِ مستی کبھی   کہ ہر شے پہ چھائی ہے اک بیخودی

میں اس شانِ قدرت پہ ہر دم نثار
دکھائی ہمیں جس نے کیا کیا بہار

بے نظیر

جلد اول

۱۱۱- بادِ مُراد

چل اے بادِ بہاری سمتِ گلزار　　تمنائی ہے تیرا ہر گُل و خار
نہال و نخل و سبزہ سب ہیں سنسان　　گیاہِ مردہ میں تو ڈال دے جان
نہیں گلشن میں پتّے کا بھی کھڑکا　　ذرا شاخیں ہلا طائر کو بھڑکا
لپک تیزی سے اے بادِ بہاری　　کہ ہو جائے چمن پر وجد طاری
جو تو لپکے تو سبزہ لہلہائے　　چمن کا بیل بوٹا سر ہلائے
لچک جائے کمر نازک شجر کی　　زمیں پر جُھک پڑے ڈالی ثمر کی
ٹپک جائے جو ہو پکا ہوا پھل　　کہ شاخیں ہو رہی ہیں سخت بوجھل
سُنا بادِ صبا کیا کیا خبر ہے　　قلمرو میں تری کل بحر و بر ہے
ذرا کر دامنِ صحرا میں راحت　　بہت کی تو نے دریا کی سیاحت
بس اب آرام کر لوگوں کے گھر میں　　رہی تا دیر تو سیر و سفر میں
ترے ہمراہ چلے آئے ہیں ہم　　یہی ہیں کیا سفیرِ بحرِ اعظم

جلو میں ہی ترے اک فوج جرّار
تو ہی ہے ابر کے لشکر کی سردار

جلاؤل

اُٹھایا ہے سمندر تونے سر پر
گھٹا کو لا دکھلائی کمر پر

تری تیزی سے ہیں دل چمکتے
ترے جھونکوں سے ہیں قطرے ٹپکتے

چمن میں ابر ہی ٹھنڈی ہوا ہے
ہجومِ طائرانِ خوش نوا ہے

کبھی جھونکا نکل جاتا ہی سن سے
کبھی آہستہ رو موجِ صبا ہے

غبار و گرد سے جوٹ گئی تھی
صبا نے غسل کا ساماں کیا ہے

ہوا نے کیا ہوا باندھی چمن میں
کہ خوبانِ چمن کا سر کھلا ہے

چمن کا پتہ پتہ ہے نوا سنج
صبا کی آمد آمد جا بجا ہے

گلوں کی ڈالیاں جھک گئی ہیں
زمیں پر سبزہ کیسا لوٹتا ہے

کھلی ہر پنکھڑی گلہائے تر کی
صبا نے کان میں کیا کہدیا ہے

بکھیری نسترن پر زلفِ سُنبل
صبا شوخی میں فتنہ ہے بلا ہے

سنبل

گیاہِ سبز کا طُرّہ پریشاں
صبا تیرے ہی چھیڑے سے ہُوا ہے

کرا اے بادِ مُراد آہنگ آفاق جہاز سُست رو ہی تیرا مشتاق
پھریرے کو اُڑا کس بادباں کو کہ دیکھیں ساحلِ ہندوستاں کو
خلیج و آبنا و بحر و ساحل ترے دیکھے پڑے ہیں سب مراحل
مقام استوا سے تا بہ قطبین تجھے جنبش نہیں دیتی کبھی چین

بہت کھوندے ہیں کوہ و دشت تو نے
کیا بحرین کا گلگشت تو نے

تو ہی ہے اے نسیم صبح گاہی مثالِ رحمتِ عامِ الٰہی
جہاں میں ہیں ترے الطاف حاوی غریبوں اور امیروں پر مساوی
کبھی بنتی ہے ایسی تُند و پُرزور معاذ اللہ معاذ اللہ ترا زور
اگر تو خشمگیں اے تندخو ہو تہ و بالا جہاز جنگجو ہو
کبھی دریا میں لیجائے بہا کر کبھی ساحل پہ دے ٹپکے اٹھا کر

اُڑاتی ہے اسے تو راہ بے راہ　　جہاز آگے ترے مثلِ پرِ کاہ

معاذ اللہ ترا طوفاں غضب ہے　　تری تیزی نشانِ قہرِ رب ہے

اُجاڑا تو نے گلزار و چمن کو　　ہلا ڈالا ہے جنگل اور بن کو

یہ چھیڑا نے میں کیسا راگ تو نے　　نیستاں میں لگا دی آگ تو نے

تری رفتار ہے بیباک کیسی　　اُڑاتی ہے زمیں کی خاک کیسی

یہ گل کترے ہیں تو نے بے تامل　　کیا اک دم زدن میں شمع کو گل

کبھی گرمی سے گرما گرم ہے تو　　کبھی سردی سے سرد و نرم ہے تو

چُرا لیتی ہے تو پانی کو چپ چاپ　　نظر آتا نہیں جب بن گیا بھاپ

جو بادی چور تو ایسی نہ ہوتی　　نہ پاتے صبح کو شبنم کے موتی

خوشامد تیری خصلت میں نہیں ہے　　تری تیزی برابر ہر کہیں ہے

اُجاڑا گر کسی مفلس کا چھپر　　اُکھاڑا خیمہ و خرگاہِ لشکر

نہ در گزرے غریبوں کے مکاں سے　　نہ جھجکے طرۂ تاجِ شہاں سے

نہیں کچھ تجھ کو خوفِ شانِ سلطاں　　اُڑایا پردۂ ایوانِ سلطاں

کسی کا طرۂ طرار چھیڑا کسی کا برقع زرتار چھیڑا

غرض دلچسپ تیری ہر ادا ہے

تری شوخی و چالاکی بجا ہے

اسمٰعیل



مناظرِ قدرت

ضمیمہ جلد اوّل

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا:- ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گے تو باعث شکر گزاری ہوگا۔

۱- آتش: خواجہ حیدر علی صاحب مرحوم

ولادت ۱۷۷۶ء وطن لکھنؤ وفات ۱۸۴۷ء مدفن لکھنؤ

صفحہ

(۱۴۶) جوشِ بہار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۴۶

۲- آزاد: مولوی محمد حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۱ء وطن دلّی وفات ۱۹۱۰ء مدفن لاہور

ضمیمہ جلد ۱

صفحہ

۳۔ اسمٰعیل: مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۴۴ء وطن میرٹھ وفات ۱۹۱۷ء مدفن میرٹھ

۴۔ اکبر: سید اکبر حسین صاحب مرحوم

ولادت سنہ ۱۸۴۶ء وطن الہ آباد وفات سنہ ۱۹۲۱ء مدفن الہ آباد

۵۔ امیر: منشی امیر احمد صاحب مرحوم

ولادت سنہ ۱۲۴۴ء وطن لکھنؤ وفات سنہ ۱۳۱۸ء مدفن حیدرآباد

۶۔ انشا: انشاء اللہ خاں صاحب مرحوم

ولادت وطن دلی وفات سنہ ۱۲۳۳ء مدفن لکھنؤ

صفحہ

ضمیمہ جلد ۱

۷۔ انیس : میر ببر علی صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۱۶ھ وطن فیض آباد وفات ۱۲۹۱ھ مدفن لکھنؤ

۸۔ اوج گیاوی : محمد یعقوب صاحب

ولادت ۱۸۶۳ء وطن گیا (بہار) وفات ۱۹۱۸ مدفن گیا

۹۔ بےنظیر : سید محمد بےنظیر شاہ صاحب وارثی

ولادت ۱۸۶۳ء وطن کرڑا مانکپور ضلع الہ آباد وفات ۱۹۳۲ مدفن حیدرآباد دکن

صفحہ ضمیمہ جلد۱

ضمیمہ جلد

۱۴- حامد: حامد حسین صاحب قادری

ولادت   وطن بچھراؤں

۱۵- حسرت شروانی: نواب صدر الصدور مولوی حبیب الرحمان خاں صاحب شروانی

ولادت   وطن علی گڑھ

۱۶- حسرت موہانی: سید فضل الحسن صاحب

ولادت ۱۸۷۵ء   وطن موہان

۱۷- ذاکر:

۱۸- سحر: منشی اقبال بہادر ورما صاحب

صفحہ

ضمیمہ ۴۰۔ نفیس:

۴۱۔ نہال عظیم آبادی

۴۲۔ وجاہت: سیّد وجاہت حسین صاحب

ولادت وطن جھنجھانہ

۴۳۔ ھادی: سیّد محمدؐ ہادی صاحب بی۔اے

ولادت ۱۸۸۵ء وطن مچھلی شہر

۴۴۔ عبد

سلسلۂ دعوتِ صدق

اسرارِ حق

مؤلفہ

محمد الیاس برنی ایم اے ایل ایل بی (علیگ) حیدرآباد دکن

آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ، ارشاداتِ صدیقین و اکابرِ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان سب کا نہایت جامع اور مربوط انتخاب اور اُن کے مقابل یورپ کے جدید سائنس و فلسفہ کی انتہائی تحقیقات کا لُبِّ لباب۔ خود بخود اسلام کی صداقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

جدید سائنس و فلسفہ کا اقرارِ نارسائی اور احساسِ ایمان بالغیب۔ اسلام میں علمِ باطن، توحید اور اس کے مقامات، احدیت کی رفعت اور عبدیت کی نزاکت، نبوت اور ولایت کے مراتب، کشف و کرامات کی ماہیت اور دیگر معارف متعلقہ ایک ہی نظر میں اسلام کی روحانی تعلیم کا عجب نظام دل نشین ہوتا ہے اور کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ لَهُم مَّا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝

جن علوم کو اللہ جلّ شانہٗ صدق اور جن کے عالموں کو صادقین و صدیقین سے تعبیر فرماتا ہے اور جو اسلامی ادب میں بالعموم تصوف اور صوفی کہلاتے ہیں ان کی تحقیق اور تصدیق میں بعض لحاظ سے یہ اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے قابل دید حجم تقریباً ۴۰۰ صفحہ جلد پاکیزہ قیمت صرف تین روپیہ (عہ) علاوہ محصول۔

معاشیات

(۱) **علم المعیشت** ۔ اکنامکس (Economics) پر اُردو میں یہ سب سے پہلی نہایت مستند اور جامع کتاب ہے۔ مشکل سے مشکل معاشی اُصول و مسائل کو ایسے سلیس اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف مضامین بخوبی ذہن نشین ہو جاتے ہیں بلکہ خاصی تفریح حاصل ہوتی ہے۔ خوبی مضامین کی بدولت ہندوستان کے ہر حصّہ میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔ لطف یہ کہ یونیورسٹیوں میں اکنامکس کے متعلّم بیسیوں ضخیم انگریزی کتابوں کو چھوڑ کر اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال (جو خود بھی معاشیات کے بڑے عالم ہیں) تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کی کتاب علم المعیشت اُردو زبان پر ایک احسان عظیم ہے۔ اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامّل نہیں ہے کہ اکنامکس پر اُردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور ہر لحاظ سے مکمل"۔ ضخامت تقریباً ۹۰۰ صفحہ خوشنما جلد بسلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو دوسرا ایڈیشن بنظر ثانی شائع ہوا ہے۔ قیمت ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ صہ/

(۲) **معیشت الہند**۔ ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی

اصلاح و ترقی کے واسطے از حد ضروری ہے کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں یہ بھی اردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ علم المعیشت میں معاشیات کے جو اصول و مسائل بیان ہوئے ہیں اس کتاب کے ذریعہ سے ان کا ہندوستان میں عمل درآمد دکھایا گیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں جامعہ عثمانیہ کی بی اے کلاس کے نصاب میں داخل ہیں۔ ضخامت تخمیناً ۵۰۰ صفحہ خوشنما جلد۔ منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہو رہی ہے۔

(۳) **مالیات** - پبلک فنانس (Public finance) پر اردو زبان میں سب سے پہلی مستند اور جامع کتاب ہے مہذب اور ترقی یافتہ سلطنتوں کے ہاں آمدنی کے کیا کیا ذرائع اور خرچ کی کیا کیا مدیں ہیں اور محاصل و مصارف کا انتظام کس نہج پر قایم ہے۔ سلطنتوں کی مالی ترقی اور مرفہ الحالی کے کیا اسباب ہیں اور ان کا کیوں کر عمل درآمد ہوتا ہے یہ تمام دقیق اور اہم مباحث نہایت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں پیش کئے ہیں۔ ہندوستان کے قومی رہبروں اور رئیسوں کو اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ از حد ضروری ہے ضخامت تخمیناً ۷۰۰ صفحہ خوشنما جلد (زیر تالیف)

(۴) **مقدمات المعاشیات** - مورلینڈ صاحب کی انگریزی کتاب انٹروڈکشن ٹو اکنامکس (Introduction to Economics) کا سلیس

اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں معاشیات کے ابتدائی اُصول و مسائل بیان کئے گئے ہیں یہ کتاب جامعہ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے۔ ضخامت تقریباً ۵۰۰ صفحہ۔ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوئی ہے۔

(۵) **معاشیات ہند**۔ مسٹر پرمتھ ناتھ بنرجی کی انگریزی کتاب انڈین اکنامکس (Indian Economics) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر ہندوستان کے معاشی حالات بیان کئے گئے ہیں یہ کتاب جامعہ عثمانیہ کی ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے۔ ضخامت تقریباً ۴۰۰ صفحہ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوئی ہے۔

(۶) **برطانوی حکومت ہند**۔ انڈرسن صاحب کی انگریزی کتاب برٹش اڈمنسٹریشن ان انڈیا (British Administration in India) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر حکومت ہند کا طریق بیان کیا گیا ہے یہ کتاب بھی جامعہ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے۔ ضخامت تقریباً ۵۰۶ صفحہ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوئی ہے۔

ملنے کا پتا:- محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ

Professor Elyas Burny's Other Urdu Works

1. **Ilmul-Maeeshat**—On Principles of Economics—over 800 pp.

2. **Maeeshat-ul-Hind**—On Indian Economics—about 800 pp. (in press)

3. **Malyat**—On Public Finance—about 500 pp. (under preparation)

4. **Mukaddamat-ul-Maashiyat**—Translation Moreland's Introduction to Economics.

5. **Hindustani Maashiyat**—Translation of Banerjee's Indian Economics.

6. **Bartanvi Hukoomat-i-Hind**— Translation of Anderson's British Administration in India.

7. **Asrar-e-Haq**—On Spiritualism in Islam—400 pp.

Volume III ... Collection of poems describing the objects of Nature, such as Fruits and Flowers, Worms and Insects, Bees and Butterflies, favourite Birds and Quadrupeds.

Volume IV ... Collection of poems describing the various important and interesting phases of Indian life, such as popular Customs and Ceremonies, Functions and Festivals, Games and Sports, Fashions and Etiquettes, and various shades of Domestic life. Also the ancient mode of Warfare.

It will be seen that the Series, in its variety and scope, is really a panorama of Indian life and culture, depicting genuine feelings and emotions, discussing communal problems, as well as social and moral notions, describing every day life and its relation to the objects and events of Nature. This will enable the reader to survey the extent and gauge the depth of Urdu Poetry.

MOHAMED ELYAS BURNY,

OSMANIA UNIVERSITY, HYDERABAD (DECCAN).

December, 1924.

Volume II ... Selections from the works of the eminent poet, Mirza Ghalib, his noteworthy contemporaries, Zauq and Zafar and his true follower Hasrat Mauhani.

Volume III... Selections from the works of some thirty old notable poets.

Volume IV... Selections from the works of some sixty modern popular poets.

Set III

MANAZIR-E-QUDRAT (The Scenes and Sights of Nature).

Volume I ... Collection of poems reflecting the various manifestations of Time, such as Dawn, Sunrise, Sunshine, Sunset, Night, Moonlight, Rainy-season, Winter, Summer and Spiring.

Volume II ... Collection of poems reflecting the scenes and sights of Space, Such as Earth and Sky, Plains and Mountains, Rivers and Forests, Fields and Gardens, Cities and famous Buildings.

their final cast in 1924, and it is possible that some additional Volumes may still follow in the future.

The Series is divided into three Sets, and covers twelve volumes as follows :—

Set I.

MAARIF-E-MILLAT (Problems of Community)

Volume I ... Collection of poems in praise of God and the Prophet and others imbued with the spirit of religious devotion : A Prayer Book.

Volume II ... Collection of poems depicting the past, present and future of Islam and the Musalmans. The tragedy of Karbala, as told here, is extremely impressive.

Volume III... Collection of poems dealing with the various phases and prospects of Nationalism in India.

Volume IV... Collection of poems dealing with the various problems of Ethics and Morals.

Set II

JAZBAT-E-FITRAT (Natural Feelings and Emotions).

Volume I ... Selections from the works of the two old and premier poets Mir and Sauda.

SELECTED URDU POEMS SERIES

This is, perhaps, the first attempt in Urdu alone, to edit a comprehensive anthology on the advanced system of the comparative study of cognate poems. The Collection already includes more than twelve hundred poems selected from the works of nearly two hundred poets—old and new—bearing upon a large variety of important and interesting subjects and arranged according to the affinity of their subject-matter. The Series thus offers, in a convenient form what may be called the cream of Urdu Poetry, while by the special arrangement of the pieces selected it provides ample scope for the growth and development of critical instinct which is the soul of higher literary education. It is hoped that the Series will satisfy not only the long felt want of a popular anthology for the Urdu reading public, but will also meet the demand for systematic Urdu Poetry-Books in Schools and Colleges all over the country.

The Series was started in 1919 when the first three Volumes of the Ma'arif, Manazir, and Jazbat were published, and received such an active support, far and near, that it rapidly extended to no less than twelve Volumes within the next four years. A Revised and Enlarged edition of these Volumes has been pubished in

Manazir-e-Qudrat

VOL I

Selected Urdu Poems Series

Manazir-e-Qudrat

Edited by

MOHAMED ELYAS BURNY

M. A., LL. B. (ALIG.)

Osmania University

Hyderabad (Deccan)

VOL. I